پندرہ روزہ

تعمیر حیات لکھنؤ

جلد ۲
نمبر ۲

سالانہ ۷/- روپے
فی پرچہ ۳۰ پیسے

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۵ نومبر ۱۹۶۴ء مطابق ۱۸ رجب المرجب ۱۳۸۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجزائر ـــــ نئی آزمائش میں

سید الرحمن الاعظمی

الجزائر کی موجودہ آزمائش ماضی کی آزمائش سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ یہ ایک امتحان ہے جس پر اس کی پست ہمتی اور بلند ہمتی کا فیصلہ ہونا ہے۔ کل کا امتحان جسم اور خون کا امتحان تھا لیکن آج کا امتحان دماغ اور دل کا امتحان ہے۔ کل کے امتحان میں دس لاکھ جانیں قربان ہوئیں۔ لیکن آج کا امتحان ـــــ ان کروروں انسانوں کا امتحان ہے جو اپنی سانس روکے ہوئے اس معاملہ میں تاریخ کے فیصلہ کا شدت سے انتظار کر رہے ہیں۔

مندرجہ ذیل مضمون دراصل عربی میں لکھا گیا تھا اس کے اردو ترجمہ کے لئے ہم عبد النور ندوی کے شکر گزار ہیں۔

نومبر کا یہ مہینہ الجزائر اور شہدائے حریت کی تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا۔ اسی ماہ کی پہلی تاریخ کو فرانس نے اس عرب، مسلم حکومت پر پوری طاقت سے حملہ کیا اور ایک طویل عرصہ تک اس کو اپنا غلام بنائے رکھا۔ لیکن آزادی حاصل کئے بغیر اس نے چین کی سانس نہ لی۔

الجزائر کا انقلاب صرف الجزائریوں کا کارنامہ .. نہیں بلکہ اس میں ساری دنیا کے مسلمان شریک ہیں۔ اپنے آنسوؤں کے ساتھ، اپنے خون کے ساتھ اور اپنے جذبات کے ساتھ! اس انقلاب نے مشرق سے مغرب تک سارے عالم اسلام میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ اضطراب کی سی کیفیت پیدا کر دی تھی، یہاں تک کہ اس ایک مسئلہ کے سامنے دنیا کے سارے مسائل ہیچ اور غیر اہم نظر آنے لگے، اس مصیبت کے سامنے ساری مصیبتیں آسان ہو گئیں اور پورے عالم اسلام نے الجزائر کے مقدس جہاد کو محبت و ہمدردی کی نگاہوں سے دیکھا، مقامی شہدا کے زخموں سے اسی طرح تکلیف محسوس کی جس طرح ان کے خویش و اقارب اور ان کے بھائیوں نے محسوس کی بلکہ یہ کہنا چاہئیے کہ شہدا کے زخموں کو اپنے جسموں پر محسوس کیا۔ یہ اہتمام و تعلق اور یہ احساسات و جذبات مختلف مواقع پر ظاہر بھی ہوتے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے الجزائر کے انقلاب اور الجزائری قوم کے لئے کامیابی کا فیصلہ کیا، شہداء کا خون بالآخر رنگ لایا۔ چنانچہ ۱۹ مارچ ۱۹۶۲ء کو اسلام کی شاندار تاریخ میں ایک روشن اور تابناک باب کا اضافہ ہوا اور اس عظیم کامیابی کو فخر کے ساتھ تاریخ کے صفحات میں نقش کر دیا گیا۔

سارے عالم میں الجزائر کی کامیابی اور استعمار کے چنگل سے آزادی کی خبر گونج گئی، مسلمانوں کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ جذبہ شکر

مکتوب یورپ (بقیہ)

...... برٹش پارلیمنٹ کے گیٹ پر بڑے ڈیل ڈول کے سپاہی کھڑے تھے۔ دیکھنے سے بڑے بارعب معلوم ہوتے تھے۔ ماموں جی مدظلہ نے بتایا کہ پورے لندن میں سپاہیوں کا یہی کٹ تم دیکھو گے۔ یہاں پولیس کے لوگ بڑے وجیہہ اور ڈیل ڈول کے لوگ ہیں اور واقعی ہر جگہ اسی طرح کے سپاہی دیکھے۔ لیکن یہ سپاہی بڑے اخلاق سے پیش آتے کچھ پوچھو تو بڑے اخلاق سے جواب دیتے۔ بلکہ تھوڑی رہنمائی بھی کر دیتے تھے اور یہ سلوک ہم اجنبیوں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ خود وہاں کے باشندوں کے ساتھ بھی ...... کرتے دیکھا، ان گیٹ کے پاسبانوں نے ہم کو گیٹ پر رد کا نہیں بلکہ اخلاق سے بتایا کہ آج چھٹی ہے اس لئے عمارت بند ہے لیکن تم دروازے سے جھانک سکتے ہو۔ ... ان کو دیکھ کر ہمیں اپنے ہندستان کی پولیس یاد آ گئی، اور پولیس تو خیر بدنام ہے، وہاں پولیس کے علاوہ دوسرے ملازمین حکومت بھی یہ اخلاق نہیں برت سکتے، بلکہ کسی دفتر میں ذرا ناواقفیت کا مظاہرہ ہو جائے تو ڈانٹ پڑنے کا خطرہ ہو جاتا ہے۔

ادبی شخصیتیں بھی دفن ہیں۔

قصر بکنگھم بھی دیکھا۔ ملکہ ان دنوں ملک سے باہر تھیں لیکن پھر بھی محل کے اندر و باہر پہرہ تھا۔ یہ غالباً شان و شکوہ کا مظاہرہ کرنے کے لئے رہا ہوگا۔ انگریز قوم قدامت و رسوم پسند قوم ہے، پرانی چیزوں اور عمارتوں کو زیادہ سے زیادہ باقی رکھنے والی اور رسوم کی پابند، ایک جگہ ملکہ کے باڈی گارڈ باڈی گارڈ ہونے کا ہمہ وقت مظاہرہ کرتے رہتے اور ڈیوٹیاں بدلتے رہتے ہیں وہ وہاں پر ہمہ وقت بت بنے کھڑے رہتے ہیں حالانکہ وہاں ملکہ کا دور دور پتہ نہیں۔

لندن میں متعدد مشہور میوزیم ہیں۔ انگریزوں کو میوزیموں سے خاصی دلچسپی ہے۔ برٹش میوزیم اور البرٹ میوزیم مشہور تاریخی چیزوں کا بڑا شاندار اور وسیع کلکشن رکھتے ہیں، دنیا کے تمام ملکوں کی قدیم اشیا، یہاں کسی نہ کسی حد تک ضرور مل جاتی ہیں، برتن، گھریلو سامان، زیورات، تحریریں، سنگ تراشی کے نمونے، آرٹ، نوادر، اور دوسری یادگاری اشیا خاصی دلچسپی اور معلومات کا سامان فراہم کرتی ہیں، اگر آدمی کے پاس وقت ہو اور اس کو صحیح ذوق ہو تو وہ ہفتوں ان چیزوں میں گم رہے، ان یادگاروں کو دیکھتے ہوئے جگہ جگہ آرٹسٹوں اور طالب علموں کو دیکھا کہ سنگ تراشیوں کے کسی نہ کسی نمونے کی نقل محنت سے اپنی کاپی پر بنا رہے ہیں، اور لوگ آ جا رہے ہیں۔ ہر شخص اپنے اپنے کام میں سنجیدگی کے ساتھ مصروف ہے، لندن میں دو تین چیزیں اور بھی بڑی خصوصیت سے دیکھنے کی ہیں، ایک تو سائنس میوزیم دوسرے پلینیٹیوریم تیسرے میڈیم توساڈو، سائنس میوزیم میں موجودہ زمانے کی مشہور ایجادات کی منزل بہ منزل ترقی دکھائی گئی ہے، سائیکل، موٹر، ریل، ہوائی جہاز، ریل کا انجن، مختلف مشینیں، گھڑیاں وغیرہ وغیرہ ان چیزوں کو تصویروں اور اصل نمونوں کے ذریعہ تدریجی ترقی کے ساتھ دکھایا گیا ہے، اچھا خاصا معلوماتی خزانہ ہے۔ پلینیٹوریم میں ستاروں اور چاند کو دکھایا جاتا ہے اور ان کے کھینچنے اور حرکت کرنے کی تفصیلات بتائی جاتی ہیں ان دونوں کو ہم نے دلچسپی سے دیکھا کاش کہ زیادہ وقت ہوتا اور اچھا اور واقف کار ساتھ ہوتا میڈیم توساڈو بھی بڑی دلچسپ جگہ ہے۔ یہ ایک میوزیم یا نمائش ہے جس میں دنیا اور تاریخ کی مشہور شخصیات کو انہی کے لباسوں اور شکلوں میں دکھایا گیا ہے اور واقعی اصل کا شبہ ہونے لگتا ہے، لیکن یہ سب موم کے بنائے گئے ہیں اور عمارت ایرکنڈیشنڈ ہے، ان میں جواہر لال نہرو، گاندھی جی بھی ہیں، روزولٹ، ٹرومین، کینیڈی بھی ہیں، چرچل جمبرلین وغیرہ بھی ہیں، شاہ حسین، شاہ ایران بھی ہیں نپولین، شیکسپیئر اور دوسرے لوگ بھی ہیں، ان کے علاوہ ایک گیلری چوروں، اچکوں، قاتلوں کی بھی ہے اور سب کو انکی اصل شکل اور لباسوں میں دکھانے کی پوری کوشش کی گئی ہے لیکن ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ صرف وہی لوگ ہیں جن سے حکومت برطانیہ خوش ہے یا جن کی وہ قدر کرتی ہے ان کے علاوہ دوسرے لوگ تقریباً نہیں ہیں

اتوار کے روز ہائڈپارک بھی جا کر دیکھا، ایک طرف اس کا اسپیچ کارنر ہے جہاں ہر طرف کا خطیب نظر آتا ہے، کریک بھی مسخرا بھی، سنجیدہ موضوع پر بولنے والا بھی، گوروں کا مخالف، کالوں کا نمائندہ بھی پروٹسٹنٹ داعی بھی اور کیتھولک بھی اور عیسائی پادریوں کا جماعتی کورس بھی، اور ان ائمہ اور ہر مقرر کے ساتھ اس کے سامعین، بعض تو سنجیدگی کے ساتھ اور بعض لطف و دلچسپی کے ساتھ اور بعض مخالفت کے ساتھ اور بعض مزاح کے ساتھ شریک ہیں، ہائڈپارک کے دوسرے کنارے ایک خوبصورت جھیل ہے جس کے گرد تفریح کرنے والوں کی ٹولیاں تھیں، یہ ٹولیاں اس جگہ کو بے تکلف جگہ سمجھتی ہیں، اور ہائڈپارک آزادی اور بے تکلفی کی جگہ بھی ہے، ہائڈپارک سے واپسی سے قبل مغرب ہو گئی تھی ہم اور ہمارے عرب ساتھی رہبر، ہم دو ساتھی تھے۔ ہم دونوں نے عمداً وہیں اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھی۔

والسلام
محمد رابع حسنی ندوی

چوہرگ ... بقیہ

"ہم اپنے اپنے شہروں میں ناگفتہ بہ حالات سے دو چار ہوئے ہمارا کوئی پرسان حال نہ رہا۔ ہم نے شہنشاہ کے جود و سخا کی شہرت پہلے ہی سے سن رکھی تھی، اس لئے ہم شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے اس کو ویسا ہی پایا جیسا کہ ہم نے سنا تھا، شاہ نے محض رضاء الٰہی کے واسطے ہم میں سے ہر ایک کو ضرورت سے زیادہ مال و زر سے سرفراز کیا، اس لئے ہم تیرے حضور میں دعا گو ہیں کہ تو شاہ کی سیئات سے صرف نظر کر اس کی حسنات پر اس کو اچھی جزا دے اور اعلیٰ العلیین میں اس کا ٹھکانا بنا۔

ابو دلف کی حسب فرمائش سب نے اپنا اپنا نسب نامہ اور جو کچھ اس نے کہا اسے لکھ کر اس کے سپرد کیا اور ہنسی خوشی اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد ابو دلف نے وصیت کی کہ ان اوراق کو میرے انتقال کے بعد میرے کفن میں رکھ کر میرے ساتھ ہی دفن کیا جائے تاکہ جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوں تو آپ کو خوش کر سکوں، اور جنت میرا مستقر قرار پائے۔

اس وصیت کے چند دنوں کے بعد پیام قضاء اس کے پاس آ پہونچا اور وہ اپنے معبود سے جا ملا۔ اس کی تدفین حسب وصیت عمل میں آئی۔ وفیات الاعیان،

اسلام کیا ہے؟ - (ہندی)
مجلد قیمت چار روپئے۔
پتہ
مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ

اپنی فاونٹن پن میں ہمیشہ
اسٹارلنگ استعمال کیجئے
جو اپنے شاندار معیار اور کفایت کی بدولت بیحد مقبول ہے
اسٹارلنگ ورکس (میاں بازار) گورکھپور

پرنٹر پبلشر محمد الحسنی شاہی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

ے مغلوب ہوکر بے اختیار سجدے میں گر گئے، انتہائی مسرت وشادمانی کے مظاہرے ہوئے، مبارک باد کے پیغامات بھیجے گئے — اور یہ دن جدید اسلامی تاریخ کا یادگار دن ہوگیا — لیکن — اس کے ساتھ ہی عالم اسلامی نے الجزائر کے انقلاب سے کچھ نیک تمنائیں بھی وابستہ کر رکھی تھیں — اسے یہ توقع تھی کہ وہ سرزمین جو شہدائے اسلام کے مقدس خون سے سیراب ہوئی ہے، اس سرزمین میں اسلام کا بلند و بالا علم لہرائے گا اور اسلام کو عزت و عظمت کا صحیح مقام حاصل ہوگا۔

انقلاب کو کامیاب ہوئے ڈھائی سال کا عرصہ گذر چکا ہے لیکن یہ تمنائیں پوری ہوتی نظر نہیں آرہی ہیں۔ اس کے برخلاف اسلامی روح کمزور ہوتی جارہی ہے اسے ملک بدر کیا جارہا ہے اور نام نہاد مادی اشتراکیت غالب ہوتی جارہی ہے۔ الجزائر میں اب تک جو کچھ ہوا وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ گروہ بندیاں ہوئیں، قوت منتشر ہوئی اور رہنماؤں اور لیڈروں میں حقیر عہدوں کے لئے اختلافات پیدا ہوگئے۔ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ زمام اختیار صرف اسی کے ہاتھ میں رہے اور وہ اپنی حکومت میں معنوی و روحانی قدروں اور قابل تقلید مثالوں کی طرف توجہ دیئے بغیر استعماری طاقتوں کے اشاروں پر چلتا رہے۔

جب سے الجزائر میں قومی جمہوری ڈیموکریسی قائم ہوئی ہے اور جب سے بن بلہ اس نو آزاد حکومت کے صدر ہوئے ہیں آج تک ہمیں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جس سے معلوم ہو کہ وہ اسلامی حکومت کے قیام کے خواہاں ہیں یا اپنی حکومت کا دستور بنانے کے لئے اسلامی اصول اور روحانی بنیادوں کی تلاش میں ہیں۔ بن بلہ کی پوری مدت حکومت میں الجزائر کے انتظامی ڈھانچے میں ایک چیز بھی ایسی نظر نہیں آتی جسے روح اسلام کے مطابق کہا جاسکے، اس کے بجائے وہ کبھی قوم پرست چین کی کمیونزم کی طرف جھکتے ہیں، کبھی نام نہاد متحدہ عرب جمہوریہ کی اشتراکیت کی طرف دوڑتے ہیں، اور کبھی روس کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگتے ہیں، ان کے آئیڈیل کاسترو، ٹیٹو اور ناصر جیسے لوگ ہیں۔

الجزائر کی آزادی کے لیڈروں کی پہلی کانفرنس جو ۱۶ سے ۲۱ اپریل ۱۹۶۴ء تک جاری رہی اس میں صدر مملکت بن بلہ نے ایک طویل خطبہ دیا جس میں ان تمام اہم امور کی تعیین کی جنھیں الجزائر کی حکومت مستقبل میں انجام دینے والی ہے، سیاسی اور اقتصادی پروگرام بہت شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا۔ غرض کہ اس خطبہ میں وہ تمام امور موجود تھے جو کسی ایک خالص مادی حکومت کے لئے — جس حکومت کے لئے دینی اقدار اور انسانی صفات و کمالات کی کوئی قیمت نہ ہو ضروری ہیں — لیکن دین اور اسلامی اقدار اور نظام شریعت سے وہ بالکل صرف نظر کر گئے اور اس پر انھوں نے کوئی روشنی نہیں ڈالی۔

یہ ایک امتحان ہے الجزائر کی سرزمین کے لئے جو شہداء کے مقدس خون سے سیراب کی گئی۔ اور اس دلیر قوم کے لئے جس نے بے نظیر بہادری اور بے جگری کا مظاہرہ کیا اور اپنے مقصد کے حصول کی غیر معمولی قیمت ادا کی — اور یہ امتحانی دور اس وقت تک ختم نہیں ہوسکتا جب تک کہ الجزائر میں استعماری ذہنیت کام کرتی رہے گی اور جب تک اس کے رہنما اور لیڈر اپنی تعمیر و ترقی میں مغربی فلسفہ پر عمل پیرا رہیں گے۔

الجزائر کو آج — اس کی کامیابی اور آزادی کے بعد — اسلام اور اس کے معنوی خزانہ کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی یکم نومبر ۱۹۵۴ء کو اسلام کی قوت و طاقت کی ضرورت تھی جبکہ وہ اپنی آزادی کا دفاع کر رہا تھا — جو نا واقف ہوں انھیں معلوم ہو جانا چاہیئے کہ الجزائر کا جہاد اسلام کے نام پر شروع ہوا تھا اور اسی کے نام پر کامیاب ہوا ہے، اگر اسلام کو اس کے انتظامی ڈھانچے میں اور اس کے دستور میں مناسب جگہ نہ ملی اور اسی طرح ناکام و نامراد رہا، جیسا کہ اس وقت ہے تو — مستقبل میں اس حکومت سے کسی بھلائی کی امید نہیں اور اس انقلاب کی اللہ و رسول کی نگاہ میں ذرہ برابر بھی قیمت نہیں،

اس کی جگہ تاریخ کے ان حقیر انقلابوں میں ہوگی جو دنیا کو کوئی صالح تحفہ عطا نہ کرسکے اور کوئی نئی چیز پیش نہ کرسکے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کو حضرت سید احمد شہیدؒ کی ایک آرزو پر ختم کیا جائے وہ فرماتے ہیں:

" خفیہ باتوں کو جاننے والا خدا اس بات پر گواہ ہے کہ میرے دل میں کبھی یہ خیال بھی نہیں گذرا اور کبھی یہ وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوا کہ بے شمار خزانوں کا مالک بن جاؤں، شہر اور ولایتیں میرے قبضہ میں آجائیں، عزت و وجاہت یا امارت و ریاست مل جائے، اپنے بھائیوں اور ہمسروں پر حکمران بن جاؤں یا اونچے خاندان والے بادشاہوں کی سلطنتیں چھین کر ان کے لئے اہانت کا باعث بنوں۔

تاج فریدوں اور تخت سکندری میری نظروں میں جو کے برابر بھی نہیں، قیصر و کسریٰ کی مملکت کا خیال تک دل میں نہیں لاتا صرف یہ آرزو ہے کہ اکثر افراد بنی آدم بلکہ دنیا کے تمام خطوں میں رب العالمین کے وہ احکام جاری ہوجائیں جنھیں ہم شریعت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور اس بارے میں کسی کی طرف سے کشمکش کا امکان باقی نہ رہ جائے۔ صرف اسی کام کی تکمیل مقصود ہے، خواہ یہ میرے ہاتھ سے پورا ہو یا کسی دوسرے کے ہاتھ سے۔"

الجزائر کی موجودہ آزمائش ماضی کی آزمائش سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ یہ ایک امتحان ہے جس پر اسکی پست ہمتی اور بلند حوصلگی کا فیصلہ ہونا ہے۔ کل کا امتحان جسم اور خون کا امتحان تھا لیکن آج کا امتحان دماغ اور دل کا امتحان ہے۔ کل کے امتحان میں دس لاکھ جانیں قربان ہوئیں لیکن آج کا امتحان ان کروڑوں انسانوں کا امتحان ہے جو اپنی سانس روکے ہوئے اس معاملہ میں تاریخ کے فیصلہ کا شدت سے انتظار کر رہے ہیں

ضروری

خط و کتابت یا زر تعاون ارسال کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ دینا ہرگز نہ بھولئے۔ — منیجر

کچھ ترکی اور شام کے متعلق

ایڈیٹر تعمیر حیات کے نام مولانا محمد رابع ندوی کا ایک اہم مکتوب

برادر عزیز محمد الحسنی سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امید ہے کہ بخیر ہوں گے۔ سفر کے کچھ حالات گذشتہ خط میں لکھ چکے ہیں اس خط میں ترکی اور شام کے متعلق کچھ باتیں لکھتے ہیں اس سے پہلے دو ایک باتیں اور سن لو جو شاید لکھنا بھول گئے تھے۔

یورپ میں کھانے کا مسئلہ ایک مسلمان کیلئے غالباً سب سے زیادہ زحمت اور پریشانی کا مسئلہ ہے، ایک تو سور کے گوشت کی وجہ سے، کیونکہ یہ یورپین لوگ سور کے گوشت کو بڑی رغبت سے کھاتے کھلاتے ہیں

سور گردی

ان کو اس سے اس قدر دلچسپی اور اسکی طلب ہوتی ہے جیسی کہ مثلاً کسی دوسرے شخص کو پرندے یا مرغی کے گوشت سے ہو، اگر کسی کا اکرام مقصود ہوتا ہے تو اسکو سور کھلاتے ہیں، اور خود بھی سور کھانے کا بڑا شوق رکھتے ہیں، اس کے ناپسند یا مستنکر ہونے کا خیال ان کے ذہن میں کبھی نہیں آتا مزید یہ کہ اس کی چربی اور دوسرے متعلقات سب ان کے یہاں داخل زندگی ہیں، ایک تو اس کی کوشش کہ اس سور گردی سے بچا جائے، اور وہ بھی کسی نامعلوم اور نئی جگہ پر سخت دشواری ہوتی ہے اس کے بعد دوسری دشواری عام چربی سے ہوتی ہے جو یورپ میں قطعاً غیر مذبوحہ جانور کی ہوتی ہے اور گھی کے طور پر علی العموم استعمال ہوتی ہے اور خاص طور پر بسکٹوں میں شامل کی جاتی ہے اور ڈبل روٹیوں کے اوپر ملی جاتی ہے۔ اب اگر ایک شخص سور کی چربی سے بچ نکلتا ہے تو اسکے آگے غیر مذبوحہ جانوروں کی چربی کا دلدل ہے اسلئے کسی مسلمان کیلئے کسی ہوٹل میں یا کسی غیر محقق دعوت میں کھانا کھانا یا ناشتہ کرنا بڑی مشکلات کا حامل ہوتا ہے چنانچہ متعدد اہل تعلق ہندوستانی مسلمانوں نے بتایا اور خود بھائی اسداللہ نے بتایا کہ شروع شروع میں تو ہم لوگوں کو بعض مرتبہ فاقہ تک کرنا پڑا ہے اور اب بھی مرغوب اشیاء سے محروم رہنا پڑتا ہے کیونکہ خود صرف گنی چنی اشیاء تیار کرسکتے ہیں، متنوع اشیاء ہوٹلوں میں ملتی ہیں اور ہم ان کو استعمال نہیں کرسکتے۔ اگرچہ بے شمار مسلمان طلباء آنکھ بند کرکے سب کچھ کھاتے ہیں اور مسلمانوں کی یہی عدم احتیاط ہے جس نے ابھی تک یورپینوں کو یہ باور کرنے سے باز رکھا ہے کہ مسلمانوں کے یہاں یہ حرام ہے اور یہ حلال۔

اسلامی دودھ کا لطیفہ

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ لطیفہ قابل ذکر ہے کہ میونخ کے ہوٹل میں ناشتہ کے موقع پر ماموں جی نے ہدایت دی کہ چائے کیلئے دودھ گرم لانا تو بیرا نہایت سادگی میں پوچھنے لگا کہ تمہارے اسلام میں کیا ٹھنڈا دودھ بھی حرام اشیاء میں ہے۔ یہ لطیفہ ہم لوگوں میں خاصی دلچسپی کا باعث رہا اور ہم لوگوں نے اس گرم دودھ کا نام اسلامی دودھ رکھ دیا، دلچسپ بات یہ ہے کہ یورپ کے لوگ عام طور پر ٹھنڈے دودھ کو ہی پسند کرتے ہیں حتی کہ چائے میں بھی وہی دیتے ہیں۔

ایک نو تعمیر مسجد

آخن سے اب ہم تین افراد ہوگئے تھے، دو ہم اور تیسرے الاخ یحییٰ صالح باسلامہ، دوسرے روز صبح کو ہم لوگ آخن کی نو تعمیر مسجد دیکھنے گئے جو وہاں مسلمان طلباء کی کوششوں سے بن رہی ہے اس کی ایک منزل بن چکی ہے جس میں کتب خانہ، مہمانوں کی اقامتگاہ وضو خانہ وغیرہ ہوگا۔ دوسری منزل زیر تعمیر تھی جو اصل مسجد ہوگی۔ اس وقت تک ڈیڑھ لاکھ کا خرچ ہوچکا ہے یہ لوگ بیچارے تمام دنیا سے چندہ جمع کر کرکے، اس مسجد کو بنوا رہے ہیں، اس میں اخوانی و شامی طلبا پیش پیش ہیں۔ مسجد دیکھنے کے بعد ہم لوگ کولن کے ایرپورٹ روانہ ہوئے اور وہاں سے ڈیڑھ گھنٹہ میں قبل عصر برلن پہونچ گئے، جرمنی میں تو ایک ہفتہ پیشتر ہی داخل ہوچکے تھے اور وہاں کی ترقیات اور متحرک زندگی کا مشاہدہ کر رہے تھے اور اب جرمنی کے عظیم الشان شہر برلن پہونچے، غیر منقسم برلن تو ملک کا سب سے بڑا شہر ہے جس کی مجموعی آبادی چالیس پینتالیس لاکھ ہوگی، لیکن تقسیم کے بعد مشرقی برلن بارہ پندرہ لاکھ، اور مغربی برلن ۲۵ و تیس لاکھ کی آبادی کے شہر ہیں۔ اور یہ تو جانتے ہی ہوگے کہ مشرقی برلن کمیونسٹ اور مغربی برلن اتحادی ہے، یعنی برطانیہ، فرانس اور امریکہ کی نگرانی میں ہے، برلن اور جرمنی کے تمام قابل ذکر شہر جنگ عظیم میں زمین کے برابر کردیئے گئے تھے لیکن جرمنی جیسی جفاکش قوم نے وہ سب تباہی پس پردہ کردی اور بیس سال کی مدت میں جرمنی کو جب سابق بلکہ اس سے بھی بہتر بنا دیا ہے کہیں بھی معلوم نہیں ہوتا کہ یہاں تباہی آئی تھی، البتہ بعض تباہ شدہ عمارتیں خاص طور پر تباہی کا نمونہ دکھانے کیلئے چھوڑ دی گئی ہیں۔

جرمن قوم کی بعض خصوصیات

جرمنی کی متحرک زندگی اور ترقی یافتہ تمدن ہم کو انگلستان سے بھی زیادہ ممتاز اور فائق نظر آیا، ترقی جس نقطے تک پہونچتی ہے، جرمن اسی نقطے پر چلتے ہیں، جرمنی ہی میں ہم نے موٹروں کو ان کے موٹر خانوں سے نکالکر اوپر سطح سڑک تک لیجانے والا لفٹ دیکھا، یہ لفٹ حساس پرزوں پر مشتمل ہے، موٹر سامنے آتے ہی لفٹ خود بخود کھل جاتا ہے اور موٹر اندر آجانے کے بعد اوپر لیجاتا ہے موٹر نکل جانے کے بعد پھر بند ہوکر واپس نیچے چلا جاتا ہے، جرمنی کی چھوٹی سے چھوٹی بستی ہمارے ملک کے متمدن ترین محلوں کی طرح معلوم ہوتی ہے اور قوم سنجیدہ اور ہر وقت بر سر عمل نظر آتی ہے۔ معاملہ اور سلوک میں بھی اکھڑ اور کج خلق نہیں، دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ یہ واقعی اپنے پڑوسیوں پر فائق ہیں لیکن فی الحال اپنے پڑوسیوں کے غلام بنکر زندگی گذار رہے ہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ اس حال میں بھی سرگرم عمل ہیں۔ ماموں جی[1] ان کی اس کیفیت سے بہت متحیر ہوتے تھے کہ اس غلامی میں ان کا جی کام میں کیسے لگتا ہے اور یہ کیسے اس محنت اور تندہی سے مصروف عمل ہیں۔ جرمنوں کا انداز ترکوں کے انداز سے صاف ملتا ہے گویا یہ یورپ کے ترک ہیں۔

[1] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ہم لوگوں کا قیام مغربی برلن کے ایک ہوٹل میں تھا۔ دوران قیام میں چند گھنٹوں کے لئے مشرقی برلن بھی جانا ہوا، وہاں جاکر پژمردگی کا حال دیکھا، ایک بڑے جیل کا سا انداز تھا، اس کو دیکھ کر کمیونسٹ آبادیوں کی زندگی کا خاصا اندازہ ہوا، اس کی کچھ تفصیل چھوٹے بھیا[1] مدظلہٗ کے نام کے خط میں لکھ چکے ہیں، تم نے پڑھا ہوگا۔

مولانا کی مصروفیات

برلن میں ماموں جی نے عرب طلباء سے خطاب کیا اور تقریباً وہی مضمون اختیار کیا جو لندن کے اسلامک کلچر سنٹر کے جلسہ میں اختیار کر چکے تھے یعنی یہ کہ تم اے یورپ میں پڑھنے والے طلبا بڑے اہم اور حساس مقام پر ہو اپنے اپنے ملکوں کی قیادت تم کو کرنی ہے اس لئے کہ آج جو ٹیکنیکل سائنس اور مغربی علوم کے حامل ہیں اپنے اپنے ملکوں کی قیادت کرتے ہیں۔ تمہارے ملک مسلمان ہیں ان کی آبادیاں اسلام سے پوری محبت اور تعلق رکھتی ہیں، اب تمہاری بڑی ذمہ داری ہے کہ تم یہاں سے واپس ہوکر ان ملکوں کو اسلام پر باقی رکھو اور ان کی آبادیوں کے اس اسلامی مزاج کے مطابق ان کی رہبری کرو، یہ وقت کا زبردست کارنامہ ہے جس سے اس وقت عالم اسلام محروم اور خسارے میں ہے۔

دوران قیام کے دوسرے روز اسلامی الفکر طلبہ نے برلن یونیورسٹی میں ماموں جی کی تقریر رکھی جو ماموں جی نے عربی میں تیار کی اور یونیورسٹی میں پیش کی ایک جرمن نومسلم طالب علم نے اس کا جرمن ترجمہ پڑھ کر سنایا، اس تقریر میں جرمن قوم کی عبقریت کا اعتراف اور قدر افزائی کی گئی ہے۔ اس کے بعد اس کو انسانیت کے سب سے بڑے پیغام یعنی اسلام کی طرف متوجہ کرایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جرمن قوم جس نے زندگی کے متعدد میدانوں میں قیادت وتفوق کا ثبوت دیا ہے۔ بالکل اس کی مستحق ہے کہ اسلام کے ابدی پیغام کی علمبردار بنے اور دنیا اور تاریخ کی زبردست وعالمگیر قیادت کا مقام حاصل کرے، برلن میں ہم لوگوں کے اصل میزبان ایک فلسطینی طالب علم تجیہ تھے۔ دینی ودعوتی جذبہ سے نہایت سرشار اور بڑے متوازن اور سمجھدار شخص ہیں ان کی صحبت سے ایک جرمن طالب علم کئی سال ہوئے مسلمان ہوا، اور اسلام پر قائم ہے۔

تیسرے روز ہم لوگ جرمن سے میونخ آگئے یہ جرمنی ہی کا ایک بڑا شہر ہے آبادی ۱۲۔۱۵ لاکھ سے زیادہ ہوگی۔ تمدن میں برلن سے کم نہیں معلوم ہوتا یہاں سید رمضان صاحب بھی پہونچ گئے تھے۔ یہاں بھی اسلام پسند طلبہ کا اجتماع رہا اور ماموں جی کی تقریر ہوئی۔ موضوع حسب سابق یورپ میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے مقام وکام سے متعلق تھا، یہاں ہمارے میزبان ایک برصغیر کے طالب علم فضل یزدانی صاحب تھے یہ بھی نہایت متحرک اور صحیح الخیال شخص ہیں ان سے ہم لوگوں کو بڑی مدد ملی اور بڑا انس ہوا، انہی کے تعاون سے ماموں جی نے دو مشہور آئی اسپشلسٹ کو اپنی آپریشن شدہ آنکھ دکھائی، ایک ڈاکٹر نے آپریشن کا مشورہ دیا اور گذشتہ آپریشن کو ناکام بتایا لیکن دوسرے ڈاکٹر نے صرف دوا تجویز کی اور آپریشن کو کامیاب بتایا۔ بہرحال یہاں دوروز رہ کر ہم اور ماموں جی دمشق کے لئے استنبول روانہ ہوئے یہاں ماموں جی کو ایک روز ٹھہرنا اور خطاب کرنا تھا ہمارا معاملہ غیر متعین تھا۔ لیکن بہرحال استنبول ایرپورٹ تک ساتھ جانا تھا۔ عصر سے ذرا پہلے دوستوں سے رخصت ہوکر ایرپورٹ آئے۔ ڈاکٹر کو آنکھ دکھانے میں اس قدر دیر ہوئی تھی کہ جہاز ملنا بالکل مشکوک تھا لیکن بھاگ دوڑ کر جہاز مل گیا۔ اس میں ہم لوگوں کی سیٹ بھی کینسل تھی، وقت پر وہ بھی مل گئی اور استنبول کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں عصر کی نماز کا وقت آیا جو کہ استنبول اترنے سے قبل ختم ہونے والا تھا، ہمارا وضو نہ تھا اور یہ ایک سخت مسئلہ تھا کیونکہ جہاز کا غسلخانہ بہت مختصر ہوتا ہے لیکن چونکہ ہم خف پہنے ہوئے تھے اس لئے وضو کر ہی لیا اور جہاز ہی پر نماز ادا کی اور اس سے بڑی مسرت ہوئی۔

ترکی میں مولانا کی تقریریں

استنبول مغرب کے بعد پہونچے وہاں مستقبلین کا ایک مجمع سا تھا، یہ ترک بھائی بہت گرم جوشی سے ملے اور ماموں جی کو ساتھ لے گئے۔ وہاں ایک ترک سربرآوردہ مسلمان کے یہاں کھانا تھا جس میں شہر کے ممتاز حضرات مدعو تھے۔ یہ ترک داعی برادرم مصطفےٰ بلگہ کے والد بزرگوار رہمی بلگہ ہیں، شہر کے بڑے تاجر اور اسلامی جذبہ کے مسلمان ہیں چہرے پر داڑھی ہے، ان کے بیٹے مصطفےٰ بلگہ ہم کو جنیوا میں اسلامک سنٹر میں ملے تھے جہاں وہ اپنی یورپ کی سیاحت کے آخر میں آکر مقیم تھے۔ مصطفےٰ بڑے اچھے نوجوان طالب علم ہیں۔ استنبول کے ایک مذہبی ادارہ میں جو ندوہ کے تخیل کے جیسے تخیل کے پیش نظر قائم ہوا ہے پڑھتے ہیں اور دینی شوق جذبہ اور جوش بالکل اخوانیوں جیسا رکھتے ہیں۔ ہم لوگ ان سے جنیوا ہی سے مانوس تھے۔ دعوت کے بعد ماموں جی کا خطاب ہوا جس میں ماموں جی نے ہندوستانی مسلمانوں کے ترکوں سے تعلق ومحبت کے واقعات بیان کرتے ہوئے ترکوں کا اسلامی مقام واضح کیا اور پھر ان کو اسلامی جدوجہد کی طرف متوجہ کیا، اور ان کو اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی کہ ان کے سامنے براہ راست یورپ کی قومیں ہیں اور یہ کہ یورپ میں کام کرنے کا صحیح مقام ترک مسلمانوں کا ہے جنھوں نے صدیوں یورپ کی قوموں کو مرعوب ومتاثر رکھا اور ان کے عظیم الشان اور ناقابل شکست شہر قسطنطنیہ کو اپنے عظیم المرتبت ہیرو اور نوعمر فاتح محمد الفاتح رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں سرنگوں کیا اور آج یورپ کا یہ جگر اسلام سے منور ہے، ترک حضرات نے جن میں وکلا تاجر اور پروفیسر سب طرح کے لوگ تھے یہ تقریر توجہ وتاثر کے ساتھ سنی اور بار بار آبدیدہ ہوئے، دوسرے روز استنبول کے دو مذہبی کالجوں میں ماموں جی کی تقریریں ہوئیں۔ ایک تو المرکز الاسلامی للتعلیم العالی میں دوسری تقریر مدرسہ الائمۃ والخطباء میں۔ دونوں میں تقریروں کا بنیادی نقطہ وہی تھا جو رات والی تقریر میں تھا۔ مدرسۃ الائمۃ والخطباء میں دوپہر کا کھانا بھی تھا اور نوجوان طلبہ کی خاصی تعداد موجود تھی۔ یہاں ماموں جی کی پرجوش تقریر ہوئی۔ درمیان میں خود ماموں جی بھی آبدیدہ ہوگئے خاصے تاثر کا منظر تھا، شکیل نوجوانوں کی یہ تعداد جس سے ہال بھر گیا تھا جو سب کے سب دینی تعلیم کے حاصل کرنے والے تھے اور ان میں سے ہر فرد فوجی اور سپاہی معلوم ہوتا تھا۔ ہم کو ہندوستان میں جن نوجوانوں سے سابقہ پڑتا ہے وہ فوجی تو خیر کیا معلوم ہوتے وہ تو کسی بھی جدوجہد وقربانی کے اہل نہیں معلوم ہوتے، اور یہاں یہ حال کہ عام نوجوان نہیں بلکہ مذہبی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کا اور پھر ان میں سے ہر فرد کا یہ حال ہے کہ آنکھ بند کرکے اس کو فوج میں لیا جا سکتا ہے۔ کیسی بنی بنائی تیار شدہ قوم بلکہ فوج ہے۔ پھر اسلام کی ایسی گرویدہ کہ مذہبی بات سنے تو آبدیدہ ہو جائے۔ دینی تعلق پر جان نثار کرنے کے لئے تیار اسلامی اخوت پر ایسی محبت وجذبہ کا اظہار کہ قابل رشک لیکن افسوس ہے کہ جن سیاست دانوں اور قائدین سے سابقہ پڑا ہے وہ کسی طرح اس قوم کے لائق نہیں یہ اسلام کے عاشق وہ اسلام کے دشمن یہ مذہبی شعائر کے لئے آنکھیں بچھانے والے اور وہ ایک ایک مذہبی شعار کو کھرچ کھرچ کر مٹانے والے اور پھر ستم بالائے ستم یہ کہ یہ قومیت نواز عرب اور ان کے رہبر اور ہیرو جمال عبدالناصر باوجود اسلام کے دعویدار ہونے کے ترکوں کے ساتھ معاملہ عداوت وانتقام کا کرنے پر ہر وقت کمربستہ۔ یہ بیچارے ترک مسلمان جواب بھی باوجود سخت

(باقی ص ۱۲ پر)

[1] سید محمد ثانی حسنی ایڈیٹر رضوان

چند دن دیار غیر میں

...یورپ کی کہانی ایک ندوی سیاح کی زبانی

(۷)

مولانا عبداللہ عباس ندوی

نظام تعلیم اور درسگاہیں

ہمارے ملک میں جو نظام تعلیم سرکاری مدارس میں رائج ہے وہ انگریزوں کا لایا ہوا ہے۔ گذشتہ چند برسوں میں کچھ تبدیلیاں ہوئی ہیں لیکن اصل ڈھانچہ درجات اور ڈگریوں کی تقسیم وہی ہے جو برطانوی حکومت نے قائم کیا تھا۔ لیکن یہ نظام تعلیم خود برطانیہ میں نہیں ہے، انگریزوں نے اپنے ملک کے لئے نظام تعلیم کچھ اور ہی رکھا ہے اور اپنے زیرنگیں ممالک کے لئے کچھ اور امیر شکیب ارسلان مرحوم کی زبان میں اس کا سبب یہ تھا کہ مغربی درسگاہوں کا مقصد حکمران تیار کرنا ہے اور مشرقی (زیر استعمار) ممالک کی درسگاہیں کلرک سازی کے ادارے ہیں۔

برطانیہ میں تعلیم ہوا اور پانی کی طرح مفت اور لازمی ہے۔ ابتدائی تعلیم کے چھ سال ہیں۔ پہلے سال میں ۵ سال کے بچے داخل کئے جاتے ہیں۔ ۱۱ سال کی عمر میں گیارہ سالہ تعلیم کی سند دی جاتی ہے۔ لازمی مضامین میں مناجات اور دعائیں بھی ہیں۔ ابتدائی تعلیم کے نتائج کے مطابق ثانوی تعلیم کے مضامین دیئے جاتے ہیں۔ اس مرحلے کو طے کرنے والے طلبہ جی۔ سی۔ ای (جنرل سرٹیفکیٹ آف ایجوکیشن) کی سند ۱۹ سال کی عمر میں حاصل کر لیتے ہیں۔ اس مرحلہ میں فرنچ زبان لازمی اور کوئی ایک یورپین زبان اختیاری ہوتی ہے۔ اس کے بعد یونیورسٹی کے ۳ سال میں نصاب تعلیم سے زیادہ ذہنی تربیت پر زور دیا جاتا ہے، اساتذہ صرف تنخواہ دار ملازم ہی نہیں ہوتے جن کا کام کتاب خوانی کرا دینا ہوگا بلکہ وہ وسیع اختیارات کے مالک ہوتے ہیں۔ جو ہمارے مشرقی ممالک میں پرنسپلوں کو بھی نہیں ہوتے۔ ان کی دلسوزی اور اپنی قوم کے لئے خیرخواہی کا جذبہ بلاشبہ مثالی ہوتا ہے۔ چند ثانوی مدارس پبلک اسکول کہلاتے ہیں، جہاں تعلیم کی بھاری فیس لی جاتی ہے اور اس میں صرف امراء، حکام کے لڑکے پڑھتے ہیں۔ یا پھر بیرونی ممالک کے شاہزادے وغیرہ، ان مدارس میں ایٹن ETON ہیرو HARROW اور ونچسٹر WINCHESTER مشہور ادارے ہیں۔ برطانیہ کے اکثر وزرائے اعظم خود ہندوستان کے وزیراعظم اور اردن کے موجودہ حکمران شاہ حسین نے اپنی ثانوی تعلیم ہیرو ہی میں مکمل کی ہے۔ ان مدارس کے طلبہ بطور فخر اپنا انتساب ان اداروں کی طرف کرتے ہیں۔

راقم الحروف کو لندن کے مختصر قیام میں ان درسگاہوں کو اندر سے دیکھنے کا موقع نہ مل سکا، کیونکہ تعطیلات کا زمانہ تھا۔ البتہ مصطفےٰ بلال نے جو خود ونچسٹر کے پڑھے ہوئے ہیں۔ تفصیلی معلومات بہم پہونچائی۔ ان کے ہمراہ ایک روز آکسفورڈ کی بھی سیر کی۔

آکسفورڈ

ایک اوسط درجے کا شہر ہے۔ لندن سے بذریعہ ٹرین ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت طے کرکے ہم لوگ وہاں پہونچے۔ یہ شہر کالجوں اور گرجاؤں کا عجائب خانہ معلوم ہوتا ہے ۳۰ کالج ہیں اور ہر کالج کا اپنی جگہ پر دارالاقامہ بھی ہے ہر ایک کا ادارہ (انتظامیہ) خودمختار اور آزاد ہے۔ یہ کالج فنون کی بنیاد پر نہیں ہیں جیسے کوئی سائنس کالج ہو، اور کوئی انجینئرنگ کالج بلکہ ہر کالج یونیورسٹی کے منظور شدہ مضامین میں لکچروں کا انتظام رکھتا ہے، طلبہ کی تعداد اساتذہ کی شہرت کے اعتبار سے گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ کوئی مشہور پروفیسر ہے تو اس کے لکچر میں کئی سو بلکہ ہزار سے زیادہ طلبہ ہیں۔ کوئی معمولی استاد ہے تو اس کے لکچر میں گنتی کے طلبہ ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ ہر کالج کے ساتھ اس کا علیحدہ گرجا بھی ہے اس طرح کے خصوصی گرجا گھر کو CHAPEL کہتے ہیں۔ یونیورسٹی کی کوئی خاص عمارت نہیں ہے وہ صرف ایک انتظامیہ محکمہ ہے جو اسناد دیتا ہے اور انتخابات اور لکچروں کا نظم کرتا ہے۔ آکسفورڈ کے بعض کالجوں اور گرجاؤں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قوم کس درجہ قدامت پرست اور مذہبی رسوم ورواج کی کس حد تک پابند ہے اس کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ [illegible] میں سینٹ فرائڈس وائڈ ST. FRIDESWIDE نے ایک خانقاہ ABBEY بنائی تھی، مقصد عیسائیت کی تبلیغ کے لئے طلبہ کو تیار کرنا تھا۔ یہی خانقاہ کلیسۃ المسیح CHRIST CHURCH کے نام سے مشہور ہے اور اب بھی سب سے بڑا کالج مانا جاتا ہے۔ اس کالج کے میوزیم میں اس راہب کا ہیٹ، گون اور قلم موجود ہے اس چرچ کو وولسی WOLSEY نے کالج کی حیثیت دی۔ اس کالج کو فخر ہے کہ اس نے ایک صدی میں برطانیہ کو پانچ وزرائے اعظم دیئے۔ اور بہتیرے مصنفین، شعراء اور ادیب پیدا کئے۔ ہر کالج کی عمارت وولسی کے عہد کی ہے بڑے بڑے پتھروں کا فرش، شہتیروں سے پاٹی ... ہوئی چھت چھوٹے چھوٹے کمرے۔ نیچے در کی گیلریاں اب تک اسی طرح ہیں۔ پندرہویں اور سولہویں صدی کے کچھ رسوم چلی آرہی ہیں جن کی اب تک پابندی ہوتی ہے۔ مثلاً کوئنس کالج، جس کو ۱۳۴۱ء میں روبرٹ ڈی الگلس فیلڈ نے قائم کیا تھا اس کے لئے ۱۲ ممبر منتخب کئے گئے تھے یہ بارہ کی تعداد حضرت مسیح کے ۱۲ حواریین کی یاد میں مقرر کی تھی۔ چنانچہ اب تک اس کی مجلس انتظامیہ کی تعداد یہی ہوتی ہے۔ کالج کے بانی نے ان ممبروں کو جمع کرکے خزانچی کو حکم دیا تھا کہ ہر ممبر کو ایک ایک سوئی اور ایک ایک پیچک بخشش کرے اور ان سے کہے کہ اخراجات میں توازن سے کام لیجئے۔ سوئی اور تاگہ کی تخصیص اس لئے تھی کہ اس کے نام کا فرنچ میں یہی ترجمہ ہوتا ہے AIGUILLE کے معنی سوئی اور FIL فرنچ میں تاگہ کو کہتے ہیں۔ گویا بعد میں آنیوالوں کو اس ذریعہ بانی کا نام یاد رہے گا۔ معلوم ہوا ہے کہ یہ رسم اب تک باقی ہے۔ دوسری رسم سنئے۔ ایک کالج کے لڑکے نے کسی زمانے میں ایک خنزیر نر کو مار ڈالا تھا جو اس پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس کی یادگار میں ہر سال ایک خاص تقریب منائی جاتی ہے جس میں ایک نر خنزیر سالم پکا کر لایا جاتا ہے اور ممبران مجلس تناول فرماتے ہیں، غرض اسی طرح کی رسوم بہت سی ہیں۔ جن میں کچھ ختم کر دی گئی ہیں۔ لیکن اکثر باقی ہیں۔ لیکن اس کو اب ہم توہم پرستی قدامت پسندی پرانی لکیر کے فقیر وغیرہ کے نام سے یاد نہیں کر سکتے کیونکہ یہ باتیں "صاحب لوگوں" کے دیس کی ہیں۔ قدامت پرستی کا طعنہ تو خاص مسلمانوں کے لئے ہے جو دینی شعائر کی پابندی کرنا چاہتے ہیں جس کے اندر بے شمار اصلاحی مصالح ہوتے ہیں۔

کیمبرج

کا حال بھی تو آکسفورڈ سے مختلف نہیں ہے عقیدہ تثلیث کی پرورش جس درجہ یہاں ان اداروں میں ہوتی ہے اور صلیب کی جس طرح پرستش یہاں کرائی جاتی ہے۔ اس کو دیکھ کر آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ دوسری طرف

حیرت ہوتی ہے کہ کیا یہی وہ قوم ہے جس کی ہوا ان لوگوں کو ہمارے اسلامی ممالک میں لگ گئی ہے۔ وہ دین سے بیزار اخلاق سے بیزار اور حدود و شریعت کے باغی ہوگئے ہیں یہاں ہر کالج میں ایک گرجا گھر ہو تو عین روشن خیالی اور ہمارے اسلامی ملک میں کسی کالج میں مسجد تعمیر کرائی جائے تو رجعت پسندی، یہاں اسناد کی تقسیم کے وقت صلیب کے آگے لازماً رکوع کرایا جائے تو تہذیب و شائستگی اور اسکندریہ یونیورسٹی کی اسناد پر بسم اللہ۔ لکھا جائے تو اس پر واویلا کہ یہ "توہم پرستی" ہے جس سے عصر جدید کے تقاضے مطابق نہیں ہیں۔

بات سے بات نکلتی آئے گی اور سفر نامہ کا موضوع اپنے مشاہدات کو بیان کرنا ہے ورنہ اس تضاد کی بہت سی مثالیں سامنے ہیں۔

لندن کی عام زندگی

ساز کو اس حقیقت کے اعتراف میں تامل نہیں ہے کہ جہاں تک تنظیم، نظم و ضبط قوانین کی پابندی اور شخصی کردار کا تعلق ہے اس میں یہ ملک بہت ممتاز ہے۔ میں نے بڑے بڑے ریسٹوران دیکھے جس میں بیک وقت پانچ پانچ سو آدمی کھانا کھاتے ہیں۔ وہاں نظم و ضبط کا یہ عالم کہ مطلق شور و ہنگامہ نہیں۔ بیرے کام میں چست اور ہر کام گویا مشین کے ذریعے ہو رہا ہے۔ اسٹیشنوں پر ہزار ہا ہزار کا مجمع ہر وقت رہتا ہے۔ بعض اوقات مشکل سے ٹرین میں کھڑے ہونے کی جگہ مل سکتی ہے۔ مگر کیا مجال کہ کوئی کسی کو دھکا دے، زور سے بات کرے، ایک سکون سا ہر وقت چھایا رہتا ہے۔

لائبریریوں میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گفتگو کرنا جرم ہے کسی کو بات کرنی ہوئی تو قریب جاکر کان میں آہستہ سے بات کہی اور اپنی جگہ واپس آگیا، ہر چوراہے پر سینما نے کھلے ہوئے ہیں لیکن کسی کو بدمست ہوکر شور و ہنگامہ کرتے نہیں دیکھا۔ شرم و حیا یا عصمت و پاکدامنی کے الفاظ شاید برطانوی لغت میں پائے ہی نہیں جاتے لیکن اس کے باوجود ایسی واردات نہیں سننے میں آتی کہ کوئی عذر مستی رکھ کر پیش دستی کر بیٹھے۔ قانون کا احترام ہر جگہ یکساں طور پر موجود ہے۔ خریداری میں دھوکا دہی کا امکان بہت کم ہے۔ ہر شخص مشغول اور اپنے دھن میں سرگرداں۔ کسی کو کسی سے بات کرنے کی فرصت نہیں لیکن اگر کسی سے بات کیجئے تو وہ پورے انہماک کے ساتھ آپ کی طرف متوجہ ہوکر سنے گا۔ اور بہت تہذیب کے ساتھ جواب دیگا

(باقی ص ۱۲)

اسلام کی طاقت

وحید الدین خاں

مورخین، عام طور پر، قدیم تہذیبوں میں رومی تہذیب کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ رومی تہذیب پر جتنا لکھا گیا ہے اتنا کسی دوسری تہذیب پر نہیں لکھا گیا۔ لیکن جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، رومی تہذیب اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

رومن امپائر کو اپنی جغرافیائی توسیع اور سیاسی کمال تک پہونچنے میں تقریباً ایک ہزار سال لگ گئے۔ جب کہ اسلامی سلطنت صرف اسی برس کی مدت میں اپنی پوری انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ اور جب دونوں کی مدت زوال کو دیکھا جائے تو یہ تناسب اور زیادہ حیرت انگیز فرق تک پہونچ جاتا ہے۔ رومی شہنشاہیت کا شیرازہ (HUNS) اور گوتھ (GOTHS) قبائل کے خروج کے ساتھ صرف ایک صدی میں اپنے آخری مقام تک۔۔ پہنچ گیا۔ بازنطینی سلطنت جو عام طور پر رومن امپائر کی براہ راست وارث سمجھی جاتی ہے وہ صرف اس معنی میں اس کی وارث تھی کہ سابقہ رومی شہنشاہیت نے جس خطہ زمین پر حکومت کی تھی، اس کے ایک ٹکڑے پر اس کی حکومت باقی رہی۔ ورنہ اس کا سماجی ڈھانچہ اور سیاسی تنظیم مشکل سے رومی سلطنت کے نظام سے کوئی نسبت رکھتا تھا۔ اس کے برعکس اسلامی سلطنت اگرچہ ابتدائی نظام خلافت کے مقابلے میں بعد کو اس میں بہت سی خرابیاں پیدا ہوگئیں مگر اس کا ڈھانچہ بنیادی طور پر وہی باقی رہا جو پہلے تھا۔ خارجی حملے، حتیٰ کہ منگولوں کا سیلاب جو کہ اس سے کہیں زیادہ سخت تھا جو ہن اور گوتھ قبائل کے ہاتھوں رومی شہنشاہیت کو پیش آیا تھا۔ وہ بھی اسلام کے سماجی نظام اور اس کے سیاسی وجود کو متزلزل نہ کرسکا۔ اگرچہ بلاشبہ وہ اس کے اندر ذہنی اور اقتصادی جمود پیدا کرنے کا سبب بنا۔

ایک صدی کے برعکس جو کہ رومن امپائر کی تباہی کے لئے درکار تھے، اسلام کے نظام خلافت کے زوال میں پورے ایک ہزار سال لگ گئے یہاں تک کہ اس کا آخری سیاسی خاتمہ اس وقت حقیقت بنا جب پہلی جنگ عظیم (۱۸ — ۱۹۱۴) کے نتیجے میں ترکوں کی پانچ سو سالہ عثمانی خلافت ختم ہوگئی۔ تاہم اس میں بھی یہ فرق ہے کہ رومی شہنشاہیت جب ختم ہوئی تو اتنے مکمل طریقہ پر ختم ہوئی کہ اس کا کوئی جزو، لٹریچر اور عمارتوں کے سوا باقی نہ رہا۔ اس کے برعکس اسلام اب بھی پوری طرح زندہ ہے اور مختلف علمی میدانوں میں اپنی زندگی کا ثبوت دے رہا ہے۔

چینی تہذیب نے بھی بلاشبہ کافی قوت مقاومت (POWERS OF RESISTANCE) کا ثبوت دیا ہے۔ مگر اس کو اسلام کے مقابلے میں نہیں رکھا جاسکتا چین ایک الگ تھلگ ملک ہے جو براعظم کے سرے پر واقع ہے اور ابھی صرف آدھی صدی (جدید جاپان کے ابھرنے تک) وہ کسی بھی دشمن طاقت کی رسائی سے باہر تھا۔ چنگیز خاں اور اس کے جانشینوں کے زمانے میں منگولوں سے جنگ میں مشکل سے چینی شہنشاہیت کا صرف ایک سرا متاثر ہوا تھا۔ مگر اسلامی سلطنت اس کے برعکس تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی اور اپنی پوری مدت میں طاقتور دشمنوں سے مسلسل گھری رہی۔ مگر اس کے باوجود ابھی حال تک وہ بالکل ناقابل تسخیر رہی ہے۔

تاریخ کا یہ مطالعہ ہمیں صریح طور پر اس نتیجے تک پہنچاتا ہے کہ اسلامی دنیا کی اندرونی طاقت اور اس کا سماجی استحکام کسی بھی "معلوم تہذیب" کے مقابلے میں زیادہ طاقتور ہے۔ نیز یہ کہ اسلام کوئی ختم شدہ طاقت (SPENT FORCE) نہیں ہے جیسا کہ اس کے دشمن ثابت کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہے اور دوبارہ ابھرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ احیاء (REVIVAL) کا لفظ اگر کچھ معنی رکھتا ہے تو کسی بھی مذہب، تہذیب، قومیت کے احیاء کے مقابلے میں اسلام زیادہ مستحق ہے کہ اس کے احیاء کا یقین کیا جائے۔ احیاء کے سارے امکانوں میں یہ سب سے زیادہ قوی اور روشن امکان ہے جو ہمارے حوصلوں کے ظہور کا انتظار کررہا ہے۔

کیا ہم اس تاریخی امکان کو واقعہ بنانے کی جدوجہد کریں گے۔

دیباچۂ ازل

ابوالاسرار رمزی اٹاوی

آ تجھ کو میں بتاؤں کچھ بھید اس جہاں کے
مجھ پر کھلے ہوئے ہیں اسرار کن فکاں کے
تیری نظر ابھی تک صرف مطالعہ ہے
جو کچھ میں کہہ رہا ہوں میرا مکاشفہ ہے
تاروں کا ٹمٹمانا دھڑکن ہے میرے دل کی
یہ اضطراب پیہم ہے جان۔ آب و گل کی
رعنائیاں شفق کی فطرت کے گلکدے ہیں
حمد و ثنا کے نغمے چڑیوں کے چہچہے ہیں
ظلمت ہے نام جس کا افسردہ چاندنی ہے
کہتے ہیں موت جس کو تمہید زندگی ہے
یہ تابدار موتی پھولوں کے دامنوں میں
شبنم کے آبگینے شفاف آئنے ہیں
اس آسماں سے آگے اک چیز دیکھتا ہوں
فردوس معرفت کی دہلیز دیکھتا ہوں
پیش نگاہ "بیت معمور" دیکھتا ہوں
ہر دم تجلیوں کا اک طور دیکھتا ہوں
آواز دے رہی ہے دنیائے راز مجھ کو
رکھتی ہے فکر عقبیٰ وقف نیاز مجھ کو
میری نیاز مندی دیباچۂ ازل ہے
میثاق بندگی کی منھ بولتی غزل ہے

تعارف

دل ایوبی ٹونکی

فسونِ ابتدا ہوں میں طلسمِ انتہا ہوں میں
خدا کے جاننے والے سمجھتے ہیں کہ کیا ہوں میں
بنا کر شش جہت کو حسن کا اک آئینہ خانہ
بڑی حیرت سے اب اپنی ہی صورت دیکھتا ہوں میں
زمانہ سن رہا ہے جو صدائے بازگشت اب تک
وہی آواز ہوں، ہر چند ساز بے صدا ہوں میں
تلاش اپنے سوا کس کی کرے ذوقِ طلب میرا
نشانِ منزلِ مقصد ہوں جانِ مدعا ہوں میں
ٹھہر جاتی ہیں اپنی ہی تجلی دیکھ کر نظریں!
محبت کا کوئی مرکز ہو اپنا مبتلا ہوں میں
ہزاروں ناز ہیں اے دل مجھے اس خوش نصیبی پر
غلامِ عاشقانِ خواجۂ ہر دو سرا ہوں میں

غزل

قاضی محمد شکیل عباسی زیدی

گل کو فرصت نہ تھی اپنی چمن آرائی سے
جام تسکین ملا لالۂ صحرائی سے
کیا کروں ہائے اُدھر بزم کے لائق نہ رہا
اور اِدھر ربط نہیں گوشۂ تنہائی سے
ایک آوارۂ صحرا کی تو ہے موت یہی
روک لے کوئی اسے بادیہ پیمائی سے
اک تعلق کی تڑپ ایک توجہ کی لگن
دوست! بہتر ہے ہزاروں کی شناسائی سے
میں ہوں سرکار مدینہ کے غلاموں میں شکیلؔ
میرا رشتہ ہے ہر اسلام کے شیدائی سے

آپ کو ایک ایسی نہر سوئز بنانا چاہیئے جو مشرق و مغرب کے درمیان ایمان و یقین اور وسائل زندگی کا صحیح اور متوازن تبادلہ کر سکے

یہ اسلامی قیادت کا وہ صحیح مقام ہے جو نہ کمال اتاترک کو حاصل ہوا نہ جمال عبد الناصر کو!

آپ یورپ اس لئے نہیں آئے ہیں کہ واپس جاکر اہل مشرق کو طوطوں کی طرح رٹا رٹایا سبق سنائیں یا بندروں کی طرح اسکی نقل اتار کر دکھائیں

یورپ کے مسلم طلبہ سے مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کا خطاب

۱۷ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو اسلامک کلچرل سنٹر لندن کے اہتمام ایک جلسہ منعقد ہوا، جس میں پاکستان، ہندستان، ترکی، سوڈان اور عرب کے طلبہ، تعلیم یافتہ نوجوانوں لندن یونیورسٹی اور علوم شرقیہ کے کالج میں تحقیقی کام کرنے والوں کی خاصی تعداد شریک ہوئی، تلاوت قرآن مجید کے بعد جو ایک ترک نوجوان نے کی، اسلامک کلچرل سنٹر کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد حوش بدوی فاضل ازہر نے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کا تعارف کرایا اور جلسہ کی غرض وغایت بیان کی۔ ڈاکٹر بدوی کی تعارف کے بعد مولانا نے جو تقریر کی اور جس کو وہاں قلم بند کرنے کی کوشش کی گئی وہ اب نظر ثانی اصلاح و تکمیل کے بعد "تعمیر حیات" میں شائع کی جارہی ہے۔

عزیزو! اور دوستو!

میں اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ آج یہاں لندن میں ایک ایسے منتخب اور چیدہ مجمع کو خطاب کر رہا ہوں جس میں ہمارے بہت سے ذہین اور ہونہار نوجوان اور مختلف اسلامی ممالک سے تعلق رکھنے والے اعلیٰ تعلیم یافتہ اشخاص موجود ہیں۔ ہر ایسا شخص جو کسی فکر یا دعوت کا حامل ہے۔ ایسے زریں و نادر موقع کو غنیمت سمجھے گا اور اس سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا، مجھے بھی اپنے ناچیز خیالات، جذبات، تجربات اور مشوروں کو پیش کرنے کے لئے اس سے بہتر موقع مشکل سے ملے گا کہ میں لندن جیسے مرکزی شہر میں اتنے چیدہ اور ممتاز نوجوانوں تک اپنی آواز پہونچا سکوں۔

حضرات! میں نہ کوئی پیغمبر ہوں نہ ولی، نہ مجھے بزرگی کا دعویٰ ہے نہ پیشین گوئی کرنے کا شوق لیکن میں اس وقت ضرور ایک پیشین گوئی کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ آپ کے اس مجمع میں بہت سے ایسے نوجوان ہیں جو اپنے اپنے ملکوں کی زمام قیادت ہاتھ میں لیں گے اور وہاں کی بڑی عظیم ذمہ داریاں سنبھالیں گے آپ یہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں لیکن آپ کے ملکوں میں قیادت کی مسندیں اور رہنمائی کی کرسیاں آپ کی منتظر ہیں میں آپ کی روشن پیشانیوں کی لکیروں اور خطوط میں آپ کے درخشاں مستقبل کو دیکھ رہا ہوں۔ کسی زمانہ میں کسی ملک کی قیادت حاصل کرنے کے لئے اور کسی ملک و قوم کو اپنے اقتدار و انتظام میں لینے کے لئے زور بازو اور تلوار کے جوہر کی ضرورت تھی بس کندر و سیزر، اور چنگیز و ہلاکو نے نوک شمشیر سے دنیا فتح کی اور قوموں کو تسخیر کیا: اب اس کے لئے جنگی قوت کافی نہیں، اس وقت قیادت اور اقتدار کے لئے علم کی طاقت کی ضرورت ہے۔ اس وقت دنیا کے تمام ترقی یافتہ ممالک اور خود اسلامی ممالک جمہوریت کے جس راستہ پر چل رہے ہیں اور جن حالات و مسائل کا ان کو سامنا ہے ان کو دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ان ملکوں کی سربراہی اور ان کی قیادت وہی لوگ کریں گے جو جدید علوم سے واقف ہیں، مغربی زبانوں میں مہارت رکھتے ہیں اور جدید جمہوری نظام میں وہ اقتدار کے منصب تک پہنچنے کے وسائل اور صلاحتیں رکھتے ہیں۔ آپ کو ان اہم تعلیمی اور تمدنی مرکزوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے جو وسائل و مواقع حاصل ہیں ان کی بنا پر یہی امید کی جاسکتی ہے کہ آپ اپنی ان صلاحیتوں اور خصوصیتوں کی وجہ سے ذمہ داری کی ان جگہوں تک پہونچیں گے اور آپ کو اپنے ملک و قوم کی خدمت کرنے اور ان پر زیادہ سے زیادہ اثر انداز ہونے کا موقع ملے گا۔ یہ آپ کے لئے ایک بڑا نازک امتحان ہے۔ ان ملکوں کی قسمت بہت حد تک آپ سے وابستہ ہے اور ان کے مستقبل کا انحصار آپ پر ہے۔

آپ جن ملکوں سے آئے ہیں اور جہاں آپ کو اپنی تعلیم کی تکمیل کر کے واپس جانا ہے، یہ ملک عرصہ سے مسلمان ملک ہیں اور وہ اب بھی اپنے اسلام پر قائم ہیں اور آئندہ بھی ان کا اسلام پر قائم رہنے کا ارادہ ہے، یہ اسلام ان کو بڑی قربانیوں سے حاصل ہوا ہے اس لئے ان کو نہایت عزیز ہے اور ان کی نظر میں نہایت قیمتی ہے۔ ان ملکوں میں مسلمانوں کی بڑی عظیم تعداد ہے، ان میں سے بہت سے ممالک اپنی آبادی اور مردم شماری کے لحاظ سے یورپ کے بڑے بڑے ملکوں سے بھی بڑے ہیں۔ اس عددی کثرت اور قوت کے اسوا یہ ملک خدا کی پیدا کی ہوئی دولتوں، ذخیروں اور بیش بہا خزانوں سے مالا مال ہیں۔ یہ وہ قدرتی دولتیں اور خزانے ہیں جن کے بغیر مغرب کی گاڑی بھی نہیں چلتی۔ انھوں نے موجودہ سائنس اور ٹکنالوجی کو نئی طاقت بخشی ہے۔ اس مواد خام کے لحاظ سے کوئی ملک اسلامی ممالک کا ہمسر نہیں

اسی طرح سے ان ملکوں کے مسلمان اقوام انسانی صلاحیتوں زندگی کی توانائیوں اور اخلاقی طاقتوں سے بھرپور ہیں۔ ان میں اب بھی ایسی قوت عمل، جذبۂ قربانی، ذوق ایثار، وفاداری اور جان نثاری کا جذبہ ہے جو دنیا کی کسی قوم میں نہیں پایا جاتا ہے۔ جن لوگوں نے دنیا کی سیاحت کی ہے اور وہ دنیا کی مختلف قوموں اور عوام کا تجربہ رکھتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ان اسلامی ممالک کے مسلمان عوام سے کہیں کے عوام بہتر نہیں۔ ان میں اب بھی زندگی کا شعلہ فروزاں ہے، وہ اب بھی کسی صحیح مقصد کے لئے جان دے سکتے ہیں۔ اگر ان کو صحیح قیادت مل جائے تو وہ اب بھی دنیا کی ایک عظیم طاقت بن سکتے ہیں، ان کا سا خلوص، ان کی سی سادہ دلی ان کا اعتقاد، ان کی گرم جوشی اور ان کا جذبۂ اطاعت اب بھی کسی قوم میں نہیں پایا جاتا۔ لیکن یہ نہایت افسوس ناک حقیقت ہے کہ ان کی یہ صلاحتیں عرصہ سے ضائع ہو رہی ہیں۔ ان ملکوں کی قیادتیں (LEADER SHIP) ان سے بالکل بے خبر ہیں۔ ان سے فائدہ اٹھانے اور ان کو راہ پر لگانے کی ان میں نہ صلاحیت ہے نہ آمادگی۔

اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ اس وقت دنیائے اسلام کا سب سے اہم اور عمومی مسئلہ کیا ہے؟ تو میں ادنیٰ توقف کے بغیر کہوں گا کہ مسلمان عوام اور ان کے قائدین اور رہنماؤں کا فرق و تفاوت اور وہ ذہنی کشمکش جو عوام و خواص کے دو طبقوں میں اس وقت ہر اسلامی ملک میں برپا ہے۔ عوام مسلمان ہیں، وہ اسلام ہی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں، وہ مذہبی زبان اور اصطلاحات کے سوا کچھ نہیں سمجھتے خدا اور رسول، آخرت اور جنت، جہاد اور شہادت، رضائے الٰہی اور اجر و ثواب کے سوا کوئی چیز ان کے لئے کشش اور معنویت نہیں رکھتی، مذہبی دعوت اور نعرے کے سوا کوئی چیز ان کے خون میں گرمی، ان کے جسم میں حرارت اور ان کے اندر سرشاری اور بے خودی کی کیفیت نہیں پیدا کر سکتی اور نہ ان کو ایثار و قربانی پر آمادہ کر سکتی ہے، یہی وہ اپیل تھی اور یہی وہ نعرہ تھا جس نے الجزائر کے عرب مسلمانوں کو بےخود بنادیا، اور ان سے وہ قربانی کرائی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے، اسی کے سہارے ہر ملک کی جنگ آزادی لڑی گئی، یہ مسلمان شریعت اور اسلام کے قانون سے محبت رکھتے ہیں اور اس کے اعلیٰ و افضل ہونے کے قائل ہیں، ان کو اسلامی معاشرت اور تہذیب سے محبت ہے وہ اپنے ان ملکوں میں شریعت کے احکام کو نافذ، اسلامی زندگی کو رائج دیکھنا اور اللہ کے نام کا بول بالا چاہتے ہیں اور اس کے سوا ان کو کسی چیز سے دلچسپی نہیں۔

لیکن بد قسمتی سے جس طبقہ کے ہاتھ میں ان کی قیادت و رہنمائی ہے اور جو ان کے گلہ بان اور راعی بنے ہیں ان کی تعلیم و تربیت اس ماحول، ان عقائد و جذبات، اور ان تمناؤں سے بالکل الگ ماحول میں ہوئی ہے، اُن کے ذہن کا سانچہ بالکل الگ تیار ہوا ہے، ان کی تعلیم و تربیت انہی شہروں میں ہوئی، جہاں آپ اس وقت پڑھ رہے ہیں، ان کے اساتذۂ مغرب نے ان کے ذہن پر یہ بات نقش کر دی ہے کہ اسلام کا دور ختم ہوگیا ہے، اس نے اپنے اس محدود ماحول اور غیر ترقی یافتہ دنیا میں جس میں اس کا ظہور ہوا تھا کسی قدر مفید خدمت انجام دی لیکن اب اس ترقی یافتہ دنیا اور اس وسیع معاشرہ کے لئے اس کے پاس کوئی پیغام نہیں اور اب وہ اس بدلی ہوئی دنیا میں کسی طرح فٹ نہیں ہو سکتا۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ قومیں تو ایسی پر جوش مسلمان ہوں ان میں آج بھی محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، موسیٰ بن نصیر اور محمد فاتح پیدا ہو سکتے ہیں، لیکن جو لوگ قوموں کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہیں۔ ان کا اسلام پر سے اعتماد اٹھ چکا ہے اور وہ اسلام کے مستقبل سے مایوس ہیں اور ان کو ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ لوگ یورپ کی تعلیم گاہوں میں اس لئے آئے تھے کہ یورپ سے ایسے وسائل و ذرائع حاصل کریں جن سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہونچے یہ یورپ اس لئے آئے تھے کہ یہاں سے سائنس، ٹکنالوجی، صنعت اور اسی طرح کے دوسرے فنون حاصل کریں جن میں یورپ کو مشرق پر پورا تفوق حاصل ہے، پھر وہ ان فنون کو اسلام کے لئے مسخر کریں اور اسلامی مقاصد کا تابع اور خادم بنائیں، وہ یورپ اس لئے آئے تھے کہ یہاں سے علم حاصل کر کے مشرق و مغرب کے درمیان ایک نئی نہر سوئز بنائیں، ایسی نہر سوئز جو مشرق و مغرب کے درمیان مساویانہ و مشترک تبادلہ کا ذریعہ بنے، ایسی نہر جو مشرق سے ایمان و یقین اور عمل صالح کی دولت مغرب کو پہنچائے اور مغرب سے اس کے بے ضرر اور صالح وسائل زندگی مشرق کو منتقل کرے، لیکن افسوس ہے کہ جن لوگوں سے اس کام کی توقع تھی اور جن کو یہ فرض انجام دینا چاہیئے تھا۔ وہ مغرب کے محض نقال بن کر رہ گئے تھے، ان کا کارنامہ ہر قسم کی ذہانت جدت، جرأت، اور مجتہدانہ قابلیت سے عاری ہے، وہ امام اور پیشوا بننے کی بجائے مغرب کے محض مقلد اور اس کے خیمہ بردار ثابت ہوئے۔ بقول علامہ اقبال ؎

کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت

وہ کہنہ دماغ اپنے زمانہ کے ہیں پیرو

عزیز نوجوانو! آپ مغرب اس لئے نہیں آئے کہ آپ موم کی طرح پگھل جائیں، آپ اس لئے آئے ہیں کہ ایک نیا عالم تعمیر کریں۔ ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اور ان کے پیرو ہی ایسا عالم تعمیر کر سکتے ہیں جن پاکباز امانت دار ہاتھوں نے حرم تعمیر کیا انھیں کے نام لیوا اور انھیں کے پیرو نئے عالم کی تعمیر کر سکتے ہیں، آج دنیا کا پھر یہ پیغام ہے کہ ؎

ساز حرم باز بتعمیر جہاں خیز

آپ مغرب اس لئے ہرگز نہیں آئے کہ یہاں سے واپس جاکر اہل مشرق کو طوطوں کی طرح رٹا رٹایا سبق سنائیں بندروں کی طرح مغرب کی نقل اتار کر دکھائیں مشرق کو طوطوں اور بندروں کی ضرورت نہیں ہے مشرق کو ایسے صاحب ہمت اور صاحب دانش انسانوں کی ضرورت ہے جن میں ایسی جرأت ہو کہ وہ مغرب سے کہہ سکیں کہ تو نے یہاں یہاں غلطی کی جو اس کے پورے نظام زندگی

(باقی ص ۱۶ پر)

عالم اسلام کی مایہ ناز شخصیت

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعیؒ

دعوت ؛ جہاد ؛ عمل

—۲—

محمد اجتباء الحسینی ندوی

شام میں پہلا اخوانی مرکز

ڈاکٹر صاحب نے مذکورہ مدرسہ کی ذمہ داری و تدریس کے ساتھ ساتھ اصلاحی اور دعوتی کام جاری رکھا، اخبارات و رسائل میں دعوتی اور علمی مضامین و مقالات لکھے، مسجد میں وعظ و ارشاد اور لوگوں کے گھروں میں دعوتی مجلسیں منعقد کرتے تھے۔ جب ان کے معاونین اور ہم خیالوں کی تعداد بڑھ گئی تو ایک دعوتی مرکز قائم کرنے کا ارادہ کیا، دمشق کے ایک قدیم دیندار محلے کی ایک مسجد الدرویشیہ کے صحن میں اس کی بنیاد ڈالی، اور اس کا نام "مرکز شبان المسلمین" رکھا۔ اس سلسلے میں ایک لطیفہ اخوانی نوجوانوں کے زبان زد ہے کہ اس کی ترتیب و صفائی میں سباعی صاحب کو اتنا انہماک ہوا کہ دن بھر کام کرتے رہے اور دوپہر کا کھانا بھی نہیں تناول کیا۔ شام کو بھوک محسوس ہوئی تو ایک نوجوان کو ایک لیرہ دیا اور کہا کہ ایک پیالہ "فتۃ ایادی غنم"[1] لے آؤ۔ وہ چند آنے میں ملتا ہے نوجوان پورے ایک لیرہ کا خرید کر صینی میں چن کرلے آیا۔ لوگ دیکھ کر متعجب ہوئے اور زیر لب مسکرائے لیکن ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی نہ جھنجلائے اور نہ غصہ کیا بلکہ مسکراتے ہوئے کہا کہ بیچارے کو میرے متعلق غلط فہمی ہوئی۔

مرکز قائم ہوجانے کے بعد دعوتی کام کی رفتار تیز ہوگئی اور نوجوانوں اور دیندار حلقوں نے بڑے جوش و عقیدت سے مرکز کے جلسوں میں شریک ہونا شروع کیا۔ مصطفیٰ السباعی کی سحرآفریں تقریروں نے سب کو مسحور و گرویدہ کرلیا۔ بہت جلد شبان المسلمین کے اراکین اور ہمنواؤں کی تعداد ہزاروں تک پہونچ گئی، اور بتدریج پورے ملک شام میں یہ دعوت پھیل گئی اور ہر شہر، قصبہ، قریہ اور گاؤں میں اس کا مرکز قائم ہوگیا اور اب مصطفےٰ السباعی کی شخصیت ملک گیر بن گئی اور ہر خاص و عام کی زبان پر ان کا نام تھا۔ ملک گیر تقریروں جلسوں، حلقوں کا ایک سلسلہ قائم ہوگیا، اور ساری تحریکوں، جماعتوں اور پارٹیوں کا اثر و رسوخ کم ہوگیا یہاں تک کہ الیکشن اور انتخاب میں پارٹیوں کے لئے اخوانی نوجوانوں کا تعاون و خدمات حاصل کرنا ناگزیر سا ہوگیا۔ اگرچہ اس دور میں اخوان الیکشن میں بحیثیت نمائندے کبھی نہیں شریک ہوئے، ان کا دائرۂ عمل دعوت و اصلاح کے کاموں تک محدود رہا۔

ڈاکٹریٹ کی ڈگری اور اس کے لئے مقالہ

دعوتی کام کے انتظام سے کسی قدر اطمینان ہوا تو سوچا کہ مقالہ پورا کرکے مصر سے "استاذیۃ" (پی۔ ایچ۔ ڈی) کی سند حاصل کرلیں مقصد سند حاصل کرنا کم تھا، مستشرقین کے حدیث و سنت پر اعتراضات کا جواب دینا زیادہ پیش نظر تھا، پچھلے صفحات میں تذکرہ ہوا ہے کہ ڈاکٹر احمد امین نے اپنی کتابوں میں حدیث شریف اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حفظ و نقل حدیث کے سلسلہ میں جس اشکال کا اظہار کیا ہے، استاذ مصطفیٰ السباعی اس کا مدلل لیکن مختصر جواب رسائل میں شائع کراچکے تھے لیکن ان کا ارادہ ہوا کہ مفصل طریقہ پر مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات دیئے جائیں اور ان کی جہالت اور بددیانتی اور صلیبی تعصب کی پردہ دری کی جائے۔ اسی کے ساتھ ساتھ استشراق زدہ مسلمان مصنفین کو بھی باور کرایا جائے کہ یہ عامیانہ تقلید خود ان کے لئے کتنی مضر اور شرمناک ہے۔ اس کے پیش نظر استاذ محترمؒ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب "السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی" تصنیف کی اور اس سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی۔ یہ کتاب صرف ڈاکٹر احمد امین کے قائم کردہ اشکال و اعتراض کا جواب نہیں ہے بلکہ اس کے اصل سرچشمہ کی بیخ کنی اور دندان شکن جواب ہے، اس میں مصر کے مشہور بدزبان اور ذخیرۂ حدیث سے ناواقف اور جاہل محمود ابوریہ کے عامیانہ اعتراضات کو مدلل طریقہ پر باطل قرار دیا ہے، اور مستشرقین اور ان کے سربراہ گولڈزیہر کے ایک ایک اعتراض و اشکال کا مدلل اور تاریخ وار جواب ہے، اور سنت کے مقام، شریعت اسلامی میں اس کی حیثیت اور اسلام و مسلمانوں کے لئے اس کی اہمیت پر سیر حاصل بحث ہے۔ اس کے بڑے حصے کا پاکستان میں اس وقت ترجمہ ہوچکا تھا جب وہ خود زیور طبع سے آراستہ بھی نہیں تھی اور اس کے متعد پاک کے مسلمانوں کے لئے بڑے مفید نتائج برآمد ہوئے اور منکرین حدیث کی دور رس سازش واشگاف ہوگئی، چنانچہ اس کا جواب وہ براہ راست آج تک نہ دے سکے اب وہ کتاب تقریباً ... ۴۰۰ صفحات پر چھپکر منظر عام پر آگئی ہے اور سب مسلمان اس سے مستفید ہورہے ہیں۔

دمشق یونیورسٹی کے لاکالج میں

دمشق یونیورسٹی کے لا کالج کو ایک عائلی قانون کے استاذ کی ضرورت تھی اس کی نظر انتخاب ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی پر پڑی اور وہ اس میں استاذ مقرر کئے گئے۔

ڈاکٹر سباعی کے فاضلانہ اسباق اور مجتہدانہ افکار و خیالات سے ہر مکتب خیال کے طلبہ متاثر ہوئے اور انھیں اپنے پسندیدہ اساتذہ میں شمار کرنے لگے۔ میں نے خود کمیونسٹ اور نیشنلسٹ طلباء سے جو ان کے فکر و خیال سے بہت دور تھے۔ ان کی مدح و ستائش کے کلمات سنے ہیں ڈاکٹر سباعی کے درس سے طلباء بہت کم غائب ہوتے تھے اور بڑی دلچسپی اور انہماک سے درس میں شریک ہوتے تھے اور سنتے تھے۔ میں نے خود ان اسباق میں شریک ہوکر ان مناظر کو دیکھا ہے۔

عائلی قانون کے استاذ ہوتے ہی اس قانون کی شرح لکھنی شروع کی جو اپنی افادیت اور وسعت کے اعتبار سے انسائیکلوپیڈیا ہے اب تک دو ضخیم جلدوں میں اس کے تین ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں "شرح قانون الاحوال الشخصیۃ" کے نام سے موسوم ہے۔

شامی پارلیمنٹ میں

ڈاکٹر صاحبؒ کو چند برسوں میں شام اور عالم عربی میں جو مقام اور محبوبیت حاصل ہوگئی تھی اس کی وجہ سے قوم اور ان کے احباب یہ خواہش کرتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب عملی طور پر پارلیمنٹ میں پہونچکر اصلاحی کوشش کریں۔ تاکہ ملک کا نظام اسلامی اور عربی روایات و عقائد کے مطابق بن جائے۔ اخوان المسلمین کی دعوت کا اصل مقصد بھی یہی ہے کہ دنیا سے باطل نظام اور بشری قانون و دستور ختم ہو اور الٰہی نظام اور آسمانی دستور و قانون نافذ ہو، آخرکار ۱۹۴۹ء کے الیکشن میں دینی عناصر کے نمائندہ کی حیثیت سے کھڑے ہوئے اور پورے ملک میں دوسرے نمبر پر کامیابی حاصل کی، پھر پارلیمنٹ میں ڈپٹی اسپیکر چنے گئے، اور تھوڑے عرصہ کے بعد اپنے ہم خیال و ہم نوا ممبران کے ساتھ ایک اسلامی اشتراکی گروپ کی بنا ڈالی اور ملک میں اسلامی قانون کے نفاذ کے لئے جد و جہد کی جس کے نتیجہ میں ملک کے قانون کا بنیادی ماخذ اور اصل سرچشمہ فقہ اسلامی کو قرار دیا گیا[2]۔

دمشق یونیورسٹی میں کلیۃ الشریعۃ کا قیام

شامی پارلیمنٹ نے ملک کے دستور میں جو ستمبر ۱۹۵۰ء میں صادر ہوا یہ تصریح کی کہ قانون کا اصل سرچشمہ فقہ اسلامی ہے اس لئے اس کی شدید ضرورت محسوس کی جانے لگی کہ کوئی مستقل ایسا شعبہ یا ادارہ قائم کیا جائے جس میں ایسے علماء اور فقہاء تیار کئے جائیں جو تفسیر و حدیث اور فقہ اسلامی اور اس کے مسائل و احکام میں دستگاہ و عبور حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ یورپی قانون اور ملکوں کے نشیب و فراز، قوموں کے رجحانات و افکار، زمانہ کے مزاج و تقاضے اور اسلامی روح و میلان سے خوب اچھی طرح واقف اور شناسا ہوں تاکہ وہ قانونی اور دستوری ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی انجام دے سکیں اسی وقت سے اس مجاہد اسلام اور امت مسلمہ کے مایہ ناز فرزند نے اس کی تحریک کی اور دمشق یونیورسٹی میں کلیۃ الشریعۃ کے نام سے مستقل ایک شعبہ (فیکلٹی) قائم کرنے کی تجویز پیش کی، لیکن کمیونسٹ اور اتحادی گروہ اور عرب قومیت اور نیشنلزم کے دعویدار ممبران پارلیمنٹ نے بڑے شد و مد اور قوت سے اس کی مخالفت کی، اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس تجویز اور استاذ سباعی کے خلاف ایک محاذ قائم کرگیا اور ڈاکٹر صاحب کے خلاف ایک ملک گیر پروپیگنڈہ کی تحریک چلائی، اور وزراء و حکام اور علماء تک کو ان کے خلاف اکھاڑ کرنے کی انتہائی جد و جہد کرڈالی، خیانت، غداری نفاق، امریکی اور فرانسیسی اسلام، بددیانتی جیسے الزامات و افترا پردازیوں سے انھیں نوازا گیا، لیکن مصطفیٰ السباعی ان سب طوفانوں اور مخالف آندھیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اُس دور کے صدر جمہوریہ جناب ہاشم الاتاسی مرحوم کے سامنے کلیۃ الشریعۃ کی تجویز پیش کردی اور ان سے قومی اور ملی ضرورت کا احساس دلاتے ہوئے یہ مطالبہ کیا کہ اپنے قلم سے اس کی منظوری دیں۔ چنانچہ انھوں نے منظوری دے دی اور ۲۰ رمضان ۱۳۷۳ھ مطابق ۲۹ مئی ۱۹۵۴ء کو شامی پارلیمنٹ نے دمشق یونیورسٹی میں ایک نئے شعبہ کلیۃ الشریعۃ کے قیام کا قانون پاس کیا جس کی نظیر عالم اسلام کی کسی یونیورسٹی میں نہیں پائی جاتی ہے

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

ڈاکٹر صاحب نے کلیۃ کے افتتاحی اجلاس میں اس کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا تھا کہ "اس طرح شامی یونیورسٹی میں کلیۃ الشریعۃ کا قیام دستوری تاریخی، قومی اور علمی ضرورت تھی جس طرح کہ یہ اجتماعی ضرورت بھی ہے۔ کیونکہ جو لوگ دعوتی اور اصلاحی مشکلات سے دوچار ہوتے ہیں اور سیاسی پلیٹ فارم پر باخلاص ... کام کرتے ہیں وہ ہماری انتہائی اخلاقی پستی اور افسوسناک کجی کو جو ہماری عام اجتماعی زندگی میں رونما ہوگئی ہے محسوس کرتے ہیں، اس لئے جب جمہور امت پر شریعت کا غالب اور زبردست اثر و اقتدار ہے تو ہماری قوم و وطن کے لئے بھلائی اسی میں ہے کہ از سر نو یہ نظام و شریعت جو زندگی کے تبدیلیوں کے ساتھ متغیر ہو قائم ہو تاکہ عام اخلاقی نظام اور اجتماعی قانون کو بنانے اور چلانے و سنوارنے میں کار فرما ہو اور وہ زندگی کو حق و خیر اور کمال کی کسوٹی اور معیار کے تابع بنادے"[3]

اس قانون کا اعلان ہونا تھا کہ مخالف جماعتوں اور فاسد عناصر میں بغض و عناد اور اسلام دشمنی کا شعلہ بھڑک اٹھا جو اسی وقت سے آہستہ آہستہ ان کے دلوں میں سلگ رہا تھا۔ عالم عربی کے عرب قومیت کا مفکر اول اور بانی و مربی میشیل عفلق جو کٹر عیسائی ہے اور فرانس میں عقلی و فکری نشو و نما و تربیت حاصل کرکے شام کے ایک ہائیر سکنڈری اسکول میں تاریخ اسلامی کا استاذ مقرر ہوا پھر "البعث العربی" کے نام سے ایک پارٹی بنائی جس کا مقصد عرب قومیت اور جاہلی اقدار و کردار کو از سر نو زندہ کرنا ہے۔ اور اس کی پارٹی نے جس کی ہمت افزائی شام کی کمیونسٹ جماعت کررہی تھی جس کا سربراہ ایک کردی النسل شخص خالد بکداش تھا اس قانون اور خیال کی بڑی زبردست مخالفت کی، اور اس کے التوا میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ انھوں نے کہا ایک ماڈرن اور جدید یونیورسٹی میں داڑھی اور جبہ و دستار والے داخل ہوکر اس کی فضا کو مکدر بنادیں گے اس لئے انھیں الگ کوئی جگہ دی جائے لیکن مصطفیٰ السباعی جیسی مخلص و صفت شخصیت اور مرد مومن نے اپنی بات منوا ہی لی اور مسلمانوں کا سر اونچا کردیا اور ۱۰ روسمبر ۱۹۵۴ء میں باقاعدہ کلیۃ الشریعۃ کا افتتاح ہوا اور اسی دن سے اس میں تعلیم جاری ہوگئی اور شام کے ممتاز اہل علم و فکر اور عالمی شہرت کے مصنف اور علماء استاذ مصطفیٰ احمد الزرقاء، ڈاکٹر معروف الدوالیبی استاذ محمد المبارک ڈاکٹر یوسف العش (موجودہ پرنسپل کلیۃ الشریعۃ) اور خود ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی جیسے حضرات اس کے اساتذہ مقرر ہوئے اور خدائی قدرت کہ کلیۃ الشریعۃ کو یونیورسٹی کے مرکزی جگہ اور صدر دروازہ کے قریب والے کمرے ملے چنانچہ یونیورسٹی میں ہر داخل ہونے والے کی نظر پہلے کلیۃ الشریعۃ کے دیدہ زیب، جاذب نظر اور دلکش بورڈ پر پڑتی ہے مسلسل دس سال سے کلیۃ الشریعۃ اپنا پیغام اور خدمات ملک و قوم کو پیش کررہی ہے۔ امید ہے کہ ان کی کوشش و قربانی بارآور و نتیجہ خیز ہوگی۔ کلیۃ الشریعۃ کا پروگرام اور لائحہ عمل ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی کی قیادت میں تیار ہوا تھا۔ فقہ اسلامی کو عملی و تطبیقی طرز پر قانونی و دستوری شکل میں پیش کرنا تھا۔ اس کے لئے فقہ کے دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) تیار کرنے کے لئے شعبہ قائم ہوا جس کے صدر خود ڈاکٹر صاحب منتخب ہوئے اور اب تک اس نے بہت کچھ کام کئے ہیں لیکن مالی مشکلات سے دوچار ہے۔

کلیہ نے طلبہ اور قوم کے فائدے کے لئے بیرون ملک کے جلیل القدر اور معروف و مشہور علماء و محققین کو بحیثیت وزیٹنگ پروفیسر بلائے اور ان کے لیکچر ہوئے مارچ ۱۹۵۶ء میں مخدوم گرامی مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی بھی یونیورسٹی کی دعوت پر تشریف لے گئے اور یونیورسٹی کے وسیع ہال میں ۸ لیکچر دیئے اور کلیۃ الشریعۃ نے انھیں اپنے خرچ پر کتابی شکل میں "رجال الفکر والدعوۃ" کے نام سے شائع کیا۔ (باقی آئندہ)

---

[1] شام کا ایک لذیذ کھانا جسے بکری کے پائے میں ڈبل روٹی توڑ کر تیار کرتے ہیں، ایک پیالہ خوراک سے بڑھ جاتا ہے۔

[2] تقریر مصطفیٰ السباعی شام یونیورسٹی ۲۰ مارچ ۱۹۵۵ء شام کا دستور ۱۹۵۰ء دفعہ ۳ پیرا ۲

بقیہ دیار غیر میں ....

بقیہ دیار غیر میں ....

جس میں کسی کی دل شکنی نہ ہو۔ اب اس کو آپ منافقت کہئے یا ظاہرداری مگر یہ واقعہ ضرور ہے کہ انگریز سخت سے سخت بات بھی نرم سے نرم لہجے میں کہنے کا عادی ہے، میرے ایک شناسا لندن یونیورسٹی کے ایک عبوری امتحان میں دو مرتبہ مسلسل ناکام رہے۔ یونیورسٹی نے ان کا نام کاٹ دیا۔ مگر جو تحریر ان کو یونیورسٹی کی طرف سے ملی اس کا ترجمہ یہ ہے :- (باقی آئندہ)

فتنۂ دجال

حبیب الرحمن ندوی

ظہور دجال کی تمام انبیاء نے خبر دی ہے، مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "ما من نبی الا وقد انذرہ قومہ (بخاری) کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی قوم کو اس سے نہ ڈرایا ہو۔" آپ نے فرمایا دنیا کے تمام فتنوں میں سب سے بڑا فتنہ دجال کا فتنہ ہے، چنانچہ آپ سے جو دعائیں منقول ہیں ان میں سے ایک دعا یہ بھی ہے: "اللھم انی اعوذ بک من فتنۃ المسیح الدجال" خداوندا میں مسیح دجال کے فتنے سے پناہ مانگتا ہوں؛

ایک صحابی حضرت نواس بن سمعان بیان کرتے ہیں: ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدجال ذات غداۃ فخفض فیہ ورفع حتی ظنناہ فی طائفۃ النخل (ابن ماجہ) رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد ایک دن دجال کا ذکر کیا، اثنائے تقریر میں آپ کی آواز کبھی بلند ہوتی اور کبھی پست انداز بیان ایسا تھا کہ ہم نے سمجھا دجال ہمارے باغات تک پہونچ چکا ہے۔

حدیث کی تقریباً سبھی کتابوں میں دجال کا ذکر ہے اور اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد خطبے بھی منقول ہیں لیکن یہاں "ابوداؤد" اور "ابن ماجہ" سے صرف دو خطبے نقل کئے جاتے ہیں جن میں آنے والے دجال کی تفصیل اور اس کی اہم نشانیاں پوری وضاحت سے بیان کی گئی ہیں، ایک صحابی حضرت ابو امامہ باہلی بیان کرتے ہیں۔

خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکان اکثر خطبتہ حدیثا حدثناہ عن الدجال وحذرناہ فکان من قولہ ان قال انہ لم تکن فتنۃ فی الارض منذ ذرأ اللہ ذریۃ آدم اعظم من فتنۃ الدجال وان اللہ لم یبعث نبیا الا حذر امتہ الدجال وانا آخر الانبیاء وانتم آخر الامم وھو خارج فیکم لا محالۃ وان یخرج وانا بین ظھرانیکم فانا حجیج لکل مسلم وان یخرج من بعدی فکل حجیج نفسہ واللہ خلیفتی علی کل مسلم وانہ یخرج من خلۃ بین الشام والعراق فیعیث یمینا وشمالا یا عباد اللہ فاثبتوا فانی سأصفہ لکم صفۃ لم یصفھا ایاہ نبی قبلی، انہ یبدأ فیقول انا نبی ولا نبی بعدی ثم یثنی فیقول انا ربکم ولا ترون ربکم حتی تموتوا وانہ اعور وان ربکم لیس باعور وانہ مکتوب بین عینیہ کافر یقرؤہ کل مومن کاتب او غیر کاتب وان من فتنتہ ان معہ جنۃ ونارا فنارہ جنۃ وجنتہ نار فمن ابتلی بنارہ فلیستغث باللہ ولیقرأ فواتح الکھف فتکون علیہ بردا وسلاما کما کانت النار علی ابراھیم — وان من فتنتہ ان یقول للاعرابی ارأیت ان بعثت لک اباک وامک اتشھد انی ربک؟ فیقول نعم فیتمثل لہ شیطانان فی صورۃ ابیہ وامہ فیقولان یا بنی اتبعہ فانہ ربک۔ وان من فتنتہ ان یسلط علی نفس واحدۃ فیقتلھا وینشرھا بالمنشار حتی یلقی شقتین ثم یقول انظروا الی عبدی ھذا فانی ابعثہ الآن، ثم یزعم ان لہ ربا غیری فیبعثہ اللہ ویقول لہ الخبیث من ربک فیقول ربی اللہ وانت عدو اللہ انت الدجال واللہ ما کنت بعد اشد بصیرۃ بک منی الیوم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا جس کا اکثر حصہ دجال سے متعلق تھا جس سے آپ ہم کو ڈراتے تھے، آپ نے فرمایا کہ بنی آدم پر دجال سے بڑا کوئی فتنہ آنے والا نہیں، کوئی پیغمبر ایسا نہیں ہوا جس نے اپنی امت کو اس سے نہ ڈرایا ہو، چونکہ میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو اس لئے وہ لامحالہ تم میں ظاہر ہو کر رہے گا پس اگر وہ میری موجودگی میں ظاہر ہوا تو میں ہر مسلمان کا وکیل ہوں اور اگر میرے بعد ظاہر ہوا تو ہر شخص اپنی ذات کا کفیل ہے، میں مسلمانوں کو اللہ پر چھوڑے دیتا ہوں وہ شام وعراق کے درمیان صحرا سے نمودار ہو کر دائیں بائیں فساد کرتا ہوا آگے بڑھے گا پس اے خدا کے بندو ثابت قدم رہنا، میں تمھیں اس کی وہ نشانیاں بتاتا ہوں جو مجھ سے پہلے کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں بتایا، وہ پہلے کہے گا کہ میں نبی ہوں حالانکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، پھر کہے گا میں تمھارا رب ہوں حالانکہ مرنے سے پہلے کوئی انسان خدا کو نہیں دیکھ سکتا۔ دجال ایک آنکھ کا کانا ہے حالانکہ پروردگار تمام عیوب سے پاک ہے، دجال کی پیشانی پر کافر لکھا ہوگا جسے ہر شخص پڑھ لے گا خواہ وہ لکھنا پڑھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو اس کا ایک فتنہ یہ ہے کہ اس کے پاس جنت اور آگ (دوزخ) ہوگی لیکن اس کی آگ درحقیقت جنت ہوگی اور جنت دوزخ، پس اس کی آگ میں جو مبتلا ہو وہ سورۂ کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھے جیسے کہ آگ اس پر حضرت ابراہیم کی طرح ٹھنڈی اور بے ضرر ہو کر رہ جائے گی ایک فتنہ اس کے پاس یہ بھی ہوگا کہ ایک گنوار سے کہے گا کہ اگر میں تیرے والدین کو زندہ کر دوں تو کیا تم میری خدائی کا اقرار کر لوگے؟ وہ کہے گا ہاں ضرور کروں گا بس وہ دو شیطانوں کو اس کے ماں باپ کی شکل میں کھڑا کر دکھائیگا اور وہ دونوں اس سے کہیں گے اے بیٹے اس شخص کی پیروی کر کیونکہ یہ سچ مچ تیرا پروردگار ہے اس کی ایک آزمائش یہ بھی ہوگی کہ ایک آدمی کو پکڑ کر آرے سے چیرے گا حتی کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر گر پڑے گا۔ پھر دجال حاضرین سے کہے گا میرے اس بندے کو دیکھو میں ابھی اسے زندہ کرتا ہوں مگر وہ میری ربوبیت کا اقرار نہیں کرے گا۔ پھر پروردگار عالم اپنی قدرت سے اس کو زندہ کر دیگا اور یہ خبیث دجال اس سے دریافت کرے گا کہ بتاؤ تمھارا خدا کون ہے وہ جواب دیگا میرا پروردگار اللہ ہے اور تو خدا کا دشمن دجال ہے واللہ اس وقت جتنا یقین مجھے تیرے دجال ہونیکا ہے اس سے پہلے اتنا نہ تھا۔

یہاں امام ابن ماجہ نے حضرت ابوسعیدؓ کی زبانی یہ الفاظ نقل کیا ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذلک الرجل ارفع امتی درجۃ فی الجنۃ،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں اس آدمی کا رتبہ بہت زیادہ بلند ہوگا اور وہ جنت میں بھی بلند درجہ پر فائز ہوگا۔

آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں۔

قال وان من فتنتہ ان یامر السماء ان تمطر فتمطر ویامر الارض ان تنبت فتنبت وان من فتنتہ ان یمر بالحی فیکذبونہ فلا تبقی لھم سائمۃ الا ھلکت وان من فتنتہ ان یمر بالحی فیصدقونہ فیامر السماء ان تمطر فتمطر ویامر الارض ان تنبت فتنبت حتی تروح مواشیھم من یومھم ذلک اسمن ما کانت واعظمہ وامدہ خواصر وادرہ ضروعا وانہ لا یبقی شیء من الارض الا وطئہ وظھر علیہ الا مکۃ والمدینۃ لا یاتیھما من نقب من نقابھما الا لقیتہ الملائکۃ بالسیوف صلتۃ حتی ینزل عند الظریب الاحمر — عند منقطع السبخۃ فترجف المدینۃ باھلھا ثلاث رجفات فلا یبقی منافق ولا منافقۃ الا خرج الیہ فتنفی الخبث منھا کما تنفی الکیر خبث الحدید ویدعی ذلک الیوم یوم الخلاص

اس کا ایک فتنہ یہ ہے کہ آسمان سے پانی برسائے گا اور زمین سے سبزہ اگائے گا۔ اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ جو قبیلہ اس کو جھٹلائے گا اس کے سارے مویشی مرجائیں گے اور جو قبیلہ اس کی تصدیق کرے گا تو وہ اپنے حکم سے ان پر پانی برسائے گا اور سبزہ اگائے گا حتی کہ ان کے مویشی اس دن سے نہایت فربہ موٹے اور شکم سیر ہو کر بہت زیادہ دودھ دینے لگیں گے وہ مکہ اور مدینہ کے سوا تمام زمین کا چکر لگائے گا اور ہر جگہ کامیاب ہوگا۔ مگر ان دو شہروں میں جس دروازہ سے داخل ہونے کا ارادہ کرے گا تو فرشتے برہنہ شمشیریں لئے ہوئے اس کو روکیں گے یہاں تک کہ وہ زمین شور کے سرخ ٹیلے پر کھڑا ہو کر شہر مدینہ کو تین جھٹکے دیگا جس سے ڈر کر سارے منافق اس کی طرف نکل پڑیں گے اور مدینہ سے خباثت ایسی نکل جائے گی جیسے بھٹی میں لوہے کا میل نکل جاتا ہے۔ اور وہ دن یوم آزادی کے نام سے موسوم ہوگا۔

حاضرین میں سے ایک خاتون ام شریک بنت ابی العسکر بول پڑتی ہیں یا رسول اللہ اس وقت اہل عرب کہاں ہوں گے، آپ نے فرمایا۔

ھم یومئذ قلیل وجلھم ببیت المقدس وامامھم رجل صالح فبینما امامھم قد تقدم یصلی بھم الصبح اذ نزل علیھم عیسی ابن مریم الصبح فرجع ذلک الامام ینکص یمشی القھقری لیقدم عیسی یصلی فیضع عیسی یدہ بین کتفیہ ثم یقول لہ تقدم فصل فانھا لک اقیمت فیصلی بھم امامھم فاذا انصرف قال عیسی علیہ السلام افتحوا الباب فیفتح ووراءہ الدجال معہ سبعون الف یہودی کلھم ذو سیف محلی وساج فاذا نظر الیہ الدجال ذاب کما یذوب الملح فی الماء وینطلق ھاربا ویقول عیسی علیہ السلام ان لی فیک ضربۃ لن تسبقنی بھا فیدرکہ عند باب اللد الشرقی فیقتلہ فیھزم اللہ الیھود فلا یبقی شیء مما خلق اللہ یتواری بہ یھودی الا انطق اللہ ذلک الشیء لا حجر ولا شجر ولا حائط ولا دابۃ الا الغرقدۃ فانھا من شجرھم لا تنطق الا قال یا عبد اللہ المسلم ھذا یھودی فتعال اقتلہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان ایامہ اربعون سنۃ السنۃ کنصف السنۃ والسنۃ کالشھر والشھر کالجمعۃ وآخر ایامہ کالشررۃ یصبح احدکم علی باب المدینۃ فلا یبلغ بابھا الآخر حتی یمسی

عرب اس زمانہ میں بہت کم ہونگے وہ بھی اکثر بیت المقدس میں ایک نیک اور پرہیزگار آدمی کی قیادت میں ہونگے ایک دن جبکہ ان کا امام صبح کی نماز پڑھانے کے لئے مصلی کی طرف بڑھے گا تو حضرت عیسی ابن مریم آسمان سے اتر پڑیں گے۔ اور وہ امام حضرت عیسی کو امامت سپرد کرنے کیلئے پیچھے ہٹ جائیگا لیکن حضرت عیسیؑ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے آپ نماز پڑھائیں چنانچہ وہی امام لوگوں کو نماز پڑھائیگا، نماز کے بعد حضرت عیسیؑ فرمائیں گے کہ مسجد کا دروازہ کھول دو مگر جب دروازہ کھلے گا تو دجال ستر ہزار یہودیوں کے ساتھ نظر آئیگا جن کے ہاتھوں میں ڈھال اور تلواریں ہوں گی مگر جب دجال کی نظر حضرت عیسی پر پڑے گی تو وہ پگھلنے لگے گا اور بھاگ کھڑا ہوگا، حضرت عیسی اسکو پکار کر فرمائیں گے ٹھہرو مجھے تم پر ایک بھرپور وار کرنا ہے جس سے تم کسی حالت میں بچ نہیں سکتے چنانچہ اس کو "لد" نامی مشرقی دروازہ میں قتل کریں گے پس اللہ تعالی سارے یہودیوں کو شکست دیدیگا اور اب وہ جس چیز میں پناہ ڈھونڈیں گے پتھر ہو یا درخت دیوار ہو یا جانور وہ پکار کر کہے گی اے اللہ کے مسلمان بندے ادھر یہاں ایک یہودی ہے اس کو قتل کر۔ فقط غرقد نامی درخت کے جو کچھ نہیں بتائے گا کیونکہ یہ انھیں کا درخت ہے۔ آپ نے فرمایا دجال چالیس سال تک رہے گا جس کا پہلا سال چھ ماہ کے برابر ہوگا اور دوسرا ایک ماہ کے برابر اور تیسرا ایک ہفتہ کے برابر اور اسکے آخری دن اتنے چھوٹے ہوں گے کہ ایک آدمی صبح کے وقت مدینے کے ایک دروازہ سے چل پڑے گا تو دوسرے* دروازہ تک پہونچنے سے پہلے شام ہوجائے گی۔

(باقی آئندہ)

بقیہ: اے دل تمام نفع ہے.....

ان کے جاتے ہی حضرت صہیبؓ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور قبا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے ظہر کی نماز ہو چکی تھی۔ رسول اللہؐ تشریف فرما تھے۔ اکابر صحابہ آس پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک انصاری نے تازہ کھجوریں حضور کی خدمت میں پیش کیں اور سب کھانے لگے اس اثناء میں حضرت صہیب بھی پہونچ گئے، سلام کیا اور کھانے میں شریک ہو گئے۔ بھوک کی آگ ٹھنڈی ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ سے شکایت کرتے ہوئے کہا:

"آپ نے رفاقت کا وعدہ کیا تھا مگر مجھے چھوڑ کر چپکے سے نکل آئے...؟"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی شکایت کی۔

"حضور آپ نے بھی وعدہ فرمایا تھا.....!"

اور اپنے سفر کی روداد سنانے لگے۔

"آپ کو معلوم ہے کہ میں کتنی مصیبتیں جھیل کر آپ تک پہنچا ہوں.....؟ اپنا سارا مال دیکر قریش سے اپنے آپ کو خریدا، اور جب مکہ سے باہر نکلا تو میرے پاس صرف ایک "مد" آٹا تھا اسے میں نے ابوا میں گوندھا، پھلکیاں بنائیں اور انھیں کے سہارے قبا تک آیا....."

"تم نفع میں رہے صہیب! اس تجارت میں نقصان نہ ہوگا" رسول اللہؐ نے تسلی دی۔

"یارسول اللہ! آپ کی رفاقت میں مجھے کسی چیز کی کوئی فکر نہیں" صہیبؓ نے جواب دیا۔ پھر آسمان کیطرف نظریں اٹھائیں اور ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا:

"اللہ تیرا شکر ہے۔"

ہوا میں ارتعاش پیدا ہوا، فضاؤں نے راستہ دیا آسمان کے دروازے کھلے، فرشتوں نے پرجوش استقبال کیا ـــــ اور یہ الفاظ، تشکر، عبودیت اور فدائیت کے جذبات لئے بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد جبرئیلؑ خدا کی طرف سے جواب بھی لے آئے۔

"ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ، واللہ رؤف بالعباد ـــ"

(کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو بیچ دیتے ہیں ـــ اور اللہ ایسے بندوں پر بہت ہی مہربان ہے)

اے دل تمام نفع ہے....

از نور عظیم ندوی

حضرت صہیب رومیؓ طویل مسافت طے کر کے رسول اللہ کے پاس پہونچے تھے۔ راہ کی گرد وغبار یا کسی اور وجہ سے ان کی آنکھ میں آشوب آگیا تھا۔ جس وقت وہ پہنچے رسول اللہ اور بہت سے صحابہ کرام کھجور کھا رہے تھے وہ بھی شریک ہوگئے اور بے تکلف کھانے لگے تازہ کھجور میں گرمی بہت زیادہ ہوتی ہے جو آشوب چشم کیلئے مضر ہوتی ہے، حضرت عمرؓ نے ٹوکا بھی لیکن حضرت صہیب نے اس کا خیال نہیں کیا ایک کھجور منہ میں رکھتے ہوئے شوخی سے کہا "آشوب ایک آنکھ میں ہے اور میں دوسری طرف سے کھا رہا ہوں"

رسول اللہ کے لب مبارک میں ہلکی سی جنبش ہوئی جیسے گلاب کی نازک پنکھڑیاں باد بہاری کے لطیف جھونکے سے لہراجائیں اور مجلس کے سبھی لوگ ہنس پڑے۔

حضرت صہیبؓ آشوب چشم کا خیال کئے بغیر بہت انہماک سے کھاتے جارہے تھے ان کے معدے میں بھی آگ لگی ہوئی تھی۔ کئی دن گذر گئے تھے اور غلہ کا ایک دانہ یا کھجور کی ایک قاش بھی حلق سے نہیں اتری تھی۔ تیز دھوپ اور لو جیسے آسمان آگ برسا رہا ہو اس پر سفر کی مشقت اور پھر مسلسل فاقہ.... جان پر بن آئی تھی ایسی حالت میں آشوب چشم اور کھجور کی گرمی کا کہاں تک خیال رکھتے۔ معدے کی آگ بجھانا بھی ضروری تھا۔

ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ سوزش بھی بلا کی تھی ـــ لیکن صرف یہی سوزش نہیں تھی بلکہ ان کے دل میں ایک اور آگ جل رہی تھی، تیز بہت تیز، ایسی آگ جس کی موجودگی میں سخت ترین سردی کا احساس ہو نہ شدید گرمی کا جس کے تیز شعلوں سے طبقۂ زمہریر پگھل جائے اور نمرود کا جہنم بھی جل کر خاک ہو جائے ـــ اور اگر وہ آگ بجھ جائے تو انسان انسان نہ رہے خاک کا ڈھیر نظر آئے۔

یہی آگ تھی جس نے حضرت صہیب کو چین سے نہ بیٹھنے دیا اور تیز دھوپ اور لو کی پروا کئے بغیر عرب کے ریگ زاروں میں دن رات کے مسلسل سفر پر آمادہ کیا، اور وہ اپنی جان ہتھیلیوں پر لیکر خالی ہاتھ صحرا نوردی کے لئے نکل پڑے۔

کفار مکہ کی ایذا رسانی اور شرارتوں سے پریشان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اصحاب مکہ سے نکل چکے تھے کفار باوجود پوری کوشش کے رسول اللہ کو روکنے میں کامیاب نہ ہوئے تو ان کا غصہ بھڑک اٹھا اور اب سارا غصہ مکہ میں بچے ہوئے مسلمانوں پر اتار رہے تھے۔ اکثر کو قید کر رکھا تھا کہ کہیں یہ بھی ہجرت نہ کر جائیں اور کفار منہ دیکھتے رہیں۔ لوگوں کو معلوم ہوا کہ صہیب بھی ہجرت کرنے والے ہیں اور ان کو بھی قید میں ڈال دیا گیا۔

ابوجہل ان کے پاس آیا، چہرہ تمتمایا ہوا آنکھوں سے شعلے برس رہے تھے۔ غصہ سے سانس تک رک رہی تھی اس نے کہنا شروع کیا۔

تم! تم فقیر قلاش یہاں آئے تھے، کھانے تک کا ٹھکانا نہیں تھا، اب مال ودولت جمع کر کے امیر بن گئے ہو تو چاہتے ہو کہ سارا مال ساری دولت لیکر محمدؐ سے جاملو اور ہم دیکھتے ہی رہ جائیں۔ ایسا ہم ہرگز نہ ہونے دینگے"

صہیبؓ زیر لب مسکرائے دل میں سوچا یہ مال ودولت، اس کی حقیقت کیا ہے؟ حضور کے ایک اشارے پر روئے زمین کی ساری دولت قربان کی جاسکتی ہے پھر ایک آرزو دل میں کسمسائی، امید کی ہلکی سی کرن نظر آئی اور آنکھوں میں چمک آگئی۔ پھر یہ حسین خواہش الفاظ میں ڈھل گئی۔

"اچھا اگر میں اپنی ساری دولت وجائیداد تمہارے لئے چھوڑ دوں تو مجھے ہجرت کی اجازت مل جائے گی"

ابوجہل ایک لمحہ کے لئے چونک سا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ محمدؐ سے ایک ملاقات کے لئے اپنا سب کچھ کیوں برباد کر رہا ہے۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر کہا "تمہارے مال سے زیادہ تمہاری جان قیمتی ہے ہم تمہیں قید میں رکھیں گے، دولت پر قبضہ کریں گے پھر جان سے ختم کر دیں گے۔

حضرت صہیبؓ پر بجلی سی گر پڑی چہرہ مرجھا گیا، امید کی آخری کرن بجھ گئی، پلکوں پر ستارے جھلملائے۔ ساتھ ہی ہونٹ ہلے اور کمزور سی آواز آئی۔

"اگر عبداللہ بن جدعان زندہ ہوتا تو تم کو اتنی جرأت نہ ہوتی"

"تم لوگوں کا تو دعویٰ ہے کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی بھی ہے" ابوجہل نے طنز کیا "ہم تمہیں جلد ہی عبداللہ بن جدعان کے پاس پہنچا دیں گے وہاں ہماری شکایت کر لینا"

"افسوس! میں تو وہاں بھی اس سے نہ مل سکوں گا" صہیبؓ نے برجستہ جواب دیا۔ "رسول اللہؐ نے مجھے جنت کی بشارت دی ہے اور وہ تو جہنم میں ہوگا۔"

ابوجہل تلملا اٹھا، آگے بڑھا اور حضرت صہیب کے چہرہ پر زور سے ایک چانٹا لگایا چہرہ پر انگلیوں کے نشان پڑ گئے اور وہ بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا۔

"خوب! عبداللہ بن جدعان تو جہنم کی آگ میں جلے گا اور یہ زرخرید غلام جنت میں مزے کرے گا، ایسی حماقت کبھی دیکھی نہ سنی....."

صہیبؓ چند دن قید میں رہے۔ طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائی جاتیں کہ اسلام سے پھر جائیں کھانا صرف اتنا ملتا کہ جان باقی رہے۔ لیکن اسلام دل میں گھر کر جائے تو اس کا نکلنا بہت مشکل ہے۔ مکہ میں مسلمانوں کے بہت سے ہمدرد پیدا ہو گئے تھے۔ بہت سے لوگ ایمان بھی لا چکے تھے مگر ابھی تک ظاہر نہیں کیا تھا۔ انھیں لوگوں کی مدد سے صہیبؓ قید سے فرار ہونے میں کامیاب ہوئے۔

کفار کو جیسے ہی خبر ہوئی فوراً ان کی تلاش میں سوار دوڑائے اور سواروں نے راستے میں جالیا اور انھیں خطرہ محسوس ہوا کہ شاید گرفتار ہو جاؤں، لیکن وہ مومن تھے اور مومن کو اللہ کی جانب سے غیر معمولی ذہانت وفطانت عطا کی گئی ہے، اسی غیر معمولی ذہانت کے سہارے وہ ان مقامات کی سیر کرتا ہے جس کا دوسرے تصور بھی نہیں کر سکتے۔ صہیبؓ کے ذہن میں ایک تدبیر آئی انھوں نے سواروں کو دور ہی سے پکارا اور اپنا ترکش دکھاتے ہوئے پراعتماد لہجہ میں کہا۔

"تم سب مل کر میری تیراندازی کا مقابلہ نہیں کر سکتے جب تک ایک تیر بھی میرے پاس باقی ہے کسی کا میرے پاس پھٹکنا بھی مشکل ہے اس کے بعد تلوار کی باری ہے تمہیں اختیار ہے یا تو میرا مقابلہ کرو اور موت کا مزہ چکھو یا مکہ کی راہ لو، میں تم کو اپنے مال واسباب کا پتہ بتاتا ہوں وہ تمہارا....."

تدبیر کارگر ہوئی اور مکہ کے سواروں نے بلا پس وپیش فیصلہ کر دیا۔

"اپنے مال کا پتہ بتاؤ ہم واپس جا رہے ہیں۔"

(بقیہ ص ۲۳)

نظریہ خلافت الٰہی اور قرآن مجید

از [illegible] نگرامی ندوی

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ انسان اس کائنات میں خدا کا نائب یا خلیفہ ہے۔ حتیٰ کہ بعض تحریکات کی بنیاد بھی اسی تصور پر قائم ہے۔ اقبال کے فلسفہ خودی کی بنیاد بھی ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب کے بیان کے مطابق اسی تصور پر ہے۔ (روح اقبال ص ۱۳۵)

اقبال کا مرد کامل وہی ہے جو خلافت الٰہیہ سے سرفراز ہو۔ یوسف حسین خاں رقمطراز ہیں "دراصل اقبال کا انسان کامل کا تصور اس کے خلافت الٰہی کے تصور پر مبنی ہے"

(روح اقبال ص ۱۵۴)

خود ابن عربی کا بھی یہ خیال تھا کہ انسان اس دنیا میں خدا کا نائب ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۴۶۰)

لیکن کیا خود قرآن بھی صراحتاً انسان کو خدا کا نائب قرار دیتا ہے یا نہیں، یہ مسئلہ قابل بحث ہے۔ عربی زبان ولغت کے اعتبار سے خلیفہ کے معنی قائم مقامی کرنے کے آتے ہیں۔

والخلافۃ النیابۃ اما لغیبۃ المنوب عنہ واما لموتہ واما لعجزہ

(ترجمہ: خلافت کے معنی قائم مقامی کے ہیں، اس صورت میں جبکہ وہ شخص غائب ہو جس کی قائم مقامی کی جارہی ہو، یا وہ انتقال کر گیا ہو یا اس کے کسی معذوری کی وجہ سے

(المفردات فی غریب القرآن ص۱۵۵)

خلیفہ، جانشین۔ قائم مقام جمع خلفاء اور خلائف

(لغات القرآن ج ۲ ص ۳۲۳)

یہی وجہ ہے کہ مذکورہ خلافت الٰہی کے تصور پر اعتراض کرتے ہوئے ساتویں صدی ہجری کے مشہور اسلامی مفکر ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

"کسی کی قائم مقامی کی کئی صورتیں ہوتی ہیں یا تو وہ موجود نہ ہو یا کسی بنا پر اپنے منصب کو ادا کرنے سے قاصر ہو حالانکہ خدا کے سلسلہ میں تو معاملہ یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ فرمایا ان اللہ علی کل شیء قدیر

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۴۶۰)

اب اگر ہم انسان کو خدا کا نائب قرار دیتے ہیں تو گویا یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس کے اندر کوئی خامی تھی جس کو پورا کرنے کے لئے انسان کو خلافت عطا کی گئی۔ حالانکہ مسلمانوں کے عقائد کے مطابق صورت حال ایسی نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ کسی چیز کو سمجھنے کے لئے اس کی کچھ اپنی اصطلاحات ہوتی ہیں۔ ان کا جاننا بہت ضروری ہوتا ہے۔

مفسرین نے قرآنی آیات کی تفسیر کا ایک اصول یہ بھی بتایا ہے کہ قرآن کی ایک آیت دوسری آیت کی توضیح وتشریح ہوتی ہے۔ چنانچہ انی جاعل فی الارض خلیفہ کی تشریح سے پہلے ضروری ہے کہ اس مضمون کی دوسری آیات سے بھی روشنی لی جائے تاکہ کسی صحیح نتیجہ پر پہونچا جا سکے۔ اسی مضمون کی دوسری آیات کچھ اس طرح سے ہیں فرمایا ثم جعلناکم خلائف فی الارض من بعدھم لننظر کیف تعملون دوسری جگہ ارشاد ہے ویجعلکم خلفاء الارض ارشاد ہوا وھو الذی جعلکم خلائف فی الارض

ان سب موقعوں پر خدا کی خلافت نہیں بلکہ اپنے سے ماقبل مخلوقات کی خلافت مراد ہے۔

امام المفسرین ابن جریر طبری انی جاعل فی الارض خلیفہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

الخلیفۃ الفعیلۃ من قولک خلف فلان فلاناً فی ھذا الامر اذا قام مقامہ فیہ بعدہٗ

(تفسیر طبری طبع جدید ج ۱ ص ۴۴۹)

ترجمہ: خلیفہ بروزن فعیلہ کہا جاتا ہے فلاں فلاں کا خلیفہ ہوا، اس معاملہ میں جبکہ وہ قائم مقامی کرے اس معاملہ میں اس کے بعد۔

آگے ایک روایت حضرت ابن عباس سے نقل فرماتے ہیں:

"انسان خلیفہ ہوا جنوں کا، اس زمین میں اسی میں رہے گا اور اس کو آباد کرے گا۔"

(تفسیر طبری طبع جدید ج ۱ ص ۴۵۰)

مشہور مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں:

انی جاعل فی الارض خلیفۃ ای قوماً یخلف بعضھم بعضاً قرناً بعد قرن وجیلاً بعد جیل"

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۰۹ طبع جدید)

ترجمہ: میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں یعنی ایک قوم دوسرے کی خلیفہ ہوگی۔ نسلاً بعد نسل اور صدیاً بعد صدی۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

"انی جاعل فی الارض خلیفہ کے معنی یہ ہیں کہ انسان خلیفہ ہوگا اپنے سے پہلے مخلوقات یعنی جنوں کا یا ابلیس کا یا جو لوگ اس کے ساتھ تھے یا اس کے معنی یہ ہوں گے کہ انسان آپس میں ایک دوسرے کا خلیفہ ہوگا۔"

(روح المعانی ج ۱ ص ۱۸۵)

ابو حیان اندلسی فرماتے ہیں:

"خلافت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انسان ایک دوسرے کا خلیفہ ہوگا، جب ایک قوم ہلاک ہو جائے گی اس کی جگہ دوسری قوم آئے گی۔ اس مسلک کو حسن بصری نے بھی اختیار کیا ہے۔

خلیفہ کے ایک دوسرے معنی یہ بھی بتائے گئے ہیں کہ اس اسم کا اطلاق ہر اس شخص یا قوم پر ہوگا جس کے ذمہ زمین کی نگہداشت ہو یا اہل زمین کے مصالح اس کے پیش نظر ہو جیسے روم کے والی کو قیصر کہا جاتا ہے اور فارس کے والی کو کسریٰ اور یمن کے والی کو تبع۔

(البحر المحیط ج ۱ ص ۱۴۰)

آگے تحریر فرماتے ہیں:

"خلافت کے سلسلے میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد آدم علیہ السلام ہیں۔ جو خلیفہ ہوئے اپنے سے پہلی مخلوقات کا یعنی فرشتوں کے یا جنوں کے یا ابلیس کے یا خلیفہ ہوئے اللہ کے اور یہ قول ابن عباس اور ابن مسعود کا ہے" (البحر المحیط ج ۱ ص ۱۴۰)

خلیفۃ اللہ والا قول جو حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود سے مروی ہے۔ لیکن ابن جریر طبری کے نزدیک وہ روایت معتبر نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر طبری ج ۱، ص ۴۵۴ طبع جدید۔

اس کے علاوہ ابن عباس کا پہلا قول دوسرے قول کے خلاف اوپر بھی نقل ہو چکا ہے۔

حدیث نبوی بھی قرآنی آیات کی تفسیر ہوتی ہے خلافت کے معنی پر اور انسان سے اس کے تعلق پر نبی کریم کی ایک دعا سے روشنی پڑتی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا "اے اللہ تو میرے ساتھ ہے سفر میں اور خلیفہ ہے میرے گھر میں اے اللہ ہمارے ساتھ رہ سفر میں اور خلیفہ

(بقیہ ص ۲۹ پر)

بقیہ تقریر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ے اعلان بغاوت اور اعلان جنگ کرسکیں۔ اور حضرت ابراہیم کے الفاظ میں کہہ سکیں کفرنا بکم وبدا بیننا وبینکم العداوۃ والبغضاء ابداً حتی تؤمنوا باللہ وحدہٗ۔

(ترجمہ) ہم تمھارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض ظاہر ہوگیا جب تک کہ تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

~~~~~~~~

لیکن وہ لوگ جن کو ایک ہی بات کہنی آتی ہو کہ:
مغرب تونے سب سیکھ لیا!! یہ لوگ مشرق کے کام کے نہیں اس وقت مشرق کو ان بلند حوصلہ، بیباک اور جری نوجوانوں کی ضرورت ہے جو مغرب کی آنکھوں سے آنکھیں ملاسکیں۔

مغرب کے اُن حاشیہ برداروں کی کوئی قیمت نہیں جنھوں نے مغرب کو اپنے سروں پر سوار کرلیا ہے۔ وہ مغرب کے سامنے سر جھکاتے ہیں اور مشرق کو اپنے پیروں کے نیچے روندتے ہیں، ترکی، انڈونیشیا اور مصر وغیرہ کے موجودہ قائد کسی مجتہدانہ کردار اور کسی تخلیقی قابلیت کا ثبوت نہیں دے سکے، آپ کی منزل ان سے بہت آگے ہونی چاہئیے۔ انھوں نے مغربی افکار و اقتدار کے قدموں پر اپنا سب کچھ قربان کردیا اور اس کے بدلہ میں مشرق کے لئے جو بھیک حاصل کی وہ قربان کی ہوئی دولت کے آگے کوئی قیمت نہیں رکھتی۔

عزیزو! آپ کو یہ سمجھنا چاہئیے کہ آپ کو جنھوں نے یہاں بھیجا ہے ان کے لئے یہ کافی نہیں کہ آپ صرف اچھے سائنسداں، اچھے ٹکنیشین، اچھے انجینر، اچھے آرٹسٹ اور مغربی زبانوں اور ادبیات کے اچھے ماہر بن کر جائیں، اگر آپ صرف سائنسداں، صرف انجینر اور صرف قانون داں بنے تو آپ نے ملک کو صحیح فائدہ نہیں پہونچایا۔ آپ کو ان علوم میں مجتہدانہ قابلیت پیدا کرنی چاہئیے۔ اگر آپ قانون کے طالب علم ہیں تو آپ کو اسلامی قانون پر عبور حاصل کرنا چاہئیے اور دنیا کے اصول قانون کا گہرا مطالعہ کرکے اسلامی قانون کی برتری ثابت کرنی چاہئیے، آپ کو اپنے ملکوں میں جاکر کہنا چاہئیے کہ مغرب کا کس قدر برا حال ہے، وہ اس وقت پکے ہوئے پھل کی طرح ہے جو کسی وقت بھی گرنے والا ہے۔

اگر آپ نے مشرق میں جاکر کہا کہ مغرب سرتاپا خیر اور سراسر بے عیب ہے، تو آپ نے اپنی قوم کو دھوکا دیا اور ایک خلاف واقعہ بات بیان کی۔ آپ کو یہاں سے واپس جاکر اپنے بھائیوں کو بتانا ہے کہ مغرب کے پاس کیا خوبیاں ہیں؟ اس کی قوت کا راز کیا ہے؟ اور ان کی زندگی کے کون سے پہلو قابل تقلید ہیں؟ اسی طرح مغرب کی کون سی بیماریاں ہیں جو اس کے درخت کو گھن کی طرح کھاتی جارہی ہیں؟ وہ آج کس اخلاقی جذام میں مبتلا ہے؟ ہمیں اس کی کن کن چیزوں سے پرہیز کرنا ہے؟ اور اس کی کون سی چیزیں ہیں جن میں مشرق کو اس کی تقلید کرنے کی ضرورت نہیں اور جن کا مغرب کی طاقت اور اقتدار سے کوئی تعلق نہیں؟

بھائیو! اگر میں یہ بات کراچی، دہلی جاکر، یا قاہرہ یا اور کسی بڑے مشرقی شہر میں وہاں کے قائدین کے سامنے جاکر کہوں جو اپنے خیالات اور تربیت میں پختہ ہوچکے ہیں تو یہ بعد از وقت بات ہوگی، وہاں یہ باتیں کہنے کا وقت نکل چکا ہے، ذہن وفکر اور قلب ودماغ کے سانچے یہاں تیار ہوتے ہیں اور وہاں جاکر اپنا عمل شروع کرتے ہیں اس لئے کہنے کی جگہ یہی ہے۔ جہاں یہ سانچے بنتے ہیں، ابھی یہاں اس بات کا وقت نہیں نکلا۔ یہ سبق دراصل یہیں سنانے کا ہے، آپ ہی کو اپنے ملکوں کا قائد و رہنما بننا ہے، آپ ہی کو اپنی قوم کی تعمیر کرنی ہے اگر آپ کو اپنی قوموں کی عظیم صلاحیت اور قیمت کا احساس یہیں پیدا ہوجائے اور آپ کے دل میں اسلام کی زندگی کی صلاحیت اس کی اندرونی طاقت اور اس کی افادیت پر اعتماد پیدا ہوجائے تو آپ نے سب کچھ پالیا۔

آپ کو جو ملک سپرد کئے جارہے ہیں۔ وہ بہت بڑے بڑے اور اہم ملک ہیں، اتنی بڑی سوسائٹی اور قوت کسی کو نصیب نہیں۔ آپ ان ملکوں کی اقتصادیات ان کی دولتوں اور ذخائر اور ان کی انسانی صلاحیتوں کا جائزہ لیجئے اور ان کا نیا نقشہ بنائیے۔ اپنے علم وفن سے پورا فائدہ اٹھائیے اور اسلامی مقاصد کے لئے ان کو زیادہ سے زیادہ کار آمد بنائیے، بے لوث اور بے غرض خدمت کی مثال قائم کیجئے۔ اگر آپ نے ایسا کرلیا اور آپ نے اسلامی قیادت کا صحیح مقام حاصل کیا تو آپ کو دنیا اور تاریخ میں وہ مقام حاصل ہوگا جو نہ کمال اتاترک کو حاصل ہوا نہ جمال عبدالناصر کو نہ بن بلہ کو نہ احمد سوکارنو کو نہ دوسرے اسلامی ممالک کے قائدین کو۔

یہ محبوبیت واعتماد، احیائے ملت، اعلائے کلمۃ اللہ اور بے لوث وبے غرض خدمت کا مقام ہے۔ جو تاریخ میں بڑے نصیب والوں کو حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح یہ ملک اس ذہنی، اخلاقی اور طبقاتی کشمکش سے بھی نجات پائیں گے جس میں ان قومی رہنماؤں نے ان کو بالکل غیر فطری طریقہ پر مبتلا کردیا ہے جو ان قوموں کے مزاج، معتقدات وروایات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔

عزیزان گرامی! آپ اپنی اور اپنی قوموں کی صلاحیتوں سے آشنا بنئے، خود اپنی ہستی، اپنی ترقی اور فتوحات کے عظیم و وسیع امکانات کا انکشاف کیجئے اور اپنی نامعلوم نئی دنیا کو دریافت کرکے ایک انقلاب برپا کیجئے۔ آپ مجھے اور میری باتیں سمجھیں یا نہ سمجھیں، اپنے کو سمجھنے کی کوشش کیجئے اور اپنے کو پا لیجئے ؎

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن

بقیہ نظریہ خلافت الٰہی اور قرآن مجید

رہ گھر بار کا۔

اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل اللھم اصحبنا فی السفر واخلفنا فی الاھل۔

اس لئے کہ انسان اپنی بعض فطری کمزوریوں کی بنا پر کسی بڑی طاقت کا ہمہ وقت محتاج رہتا ہے

گو مفسرین کا ایک طبقہ خلافت الٰہی کا قائل ہے لیکن پیش نظر اکابر مفسرین کی تشریحات اور لغت کے اعتبار سے دوسرا مسلک زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے یعنی انسان نائب ہے اس کائنات میں اپنے سے پہلی مخلوقات کا۔

اب اس صورت میں انسان کے خلیفۃ اللہ ہونے کا نظریہ کہاں تک صحیح ہے۔

بقیہ کچھ ترکی اور شام کے متعلق

آزمائشی دور اور مذہبی ابتلاء سے گذرنے کے اب بھی اپنے اسلام پر قائم اور اسلامی اخوت پر جان نثار کرنے والے ہیں۔ آج عرب قوم کی کبھی ہمدردی و مواسات سے محروم ہیں۔ خدا نہ کرے ان کی یہ لاچاری جو اپنے ہم وطن سیاست دانوں اور اسلامی بھائیوں دونوں کی طوطا چشمی کا نتیجہ ہے۔ کسی ناقابل تلافی نقصان تک پہونچائے۔

(باقی آئندہ)

پرنٹر پبلشر محمد الحسنی نے ... پریس میں چھپوا کر دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا
~~~~~~~~